چنگاریاں

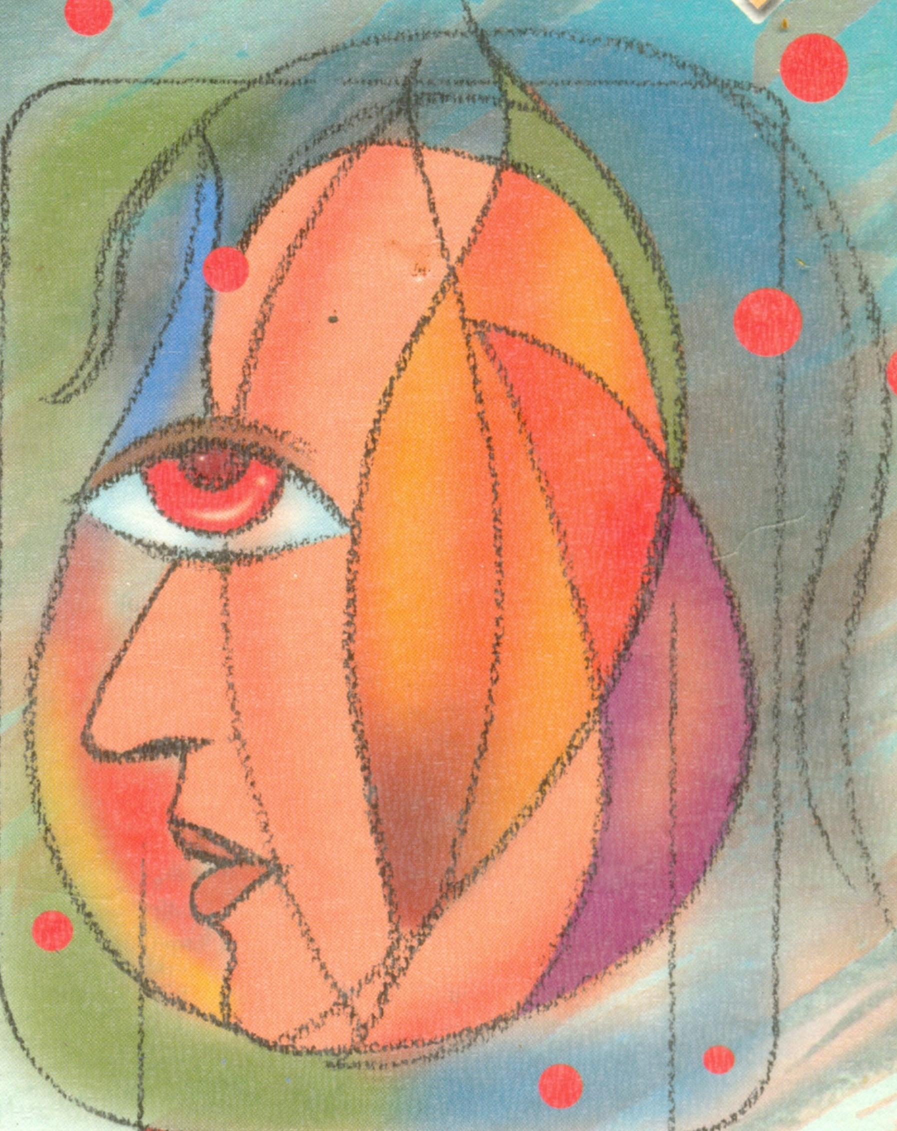

خالد یوسف

چنگاریاں

خالد یوسف

......سول ایجنٹ......

KIFAYAT کفایت اکیڈمی

اردو بازار۔کراچی،فون 2211722

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بارِ اوّل : جنوری ۲۰۰۳ء

تعداد : چھ سو

طابع : کفایت اکیڈمی،
شاہراہ لیاقت فریئر مارکیٹ، کراچی
فون: 7723031

..................ملنے کے پتے..................

1. Flat No. 6, 528 Garden East
Nazareth Road, Karachi.

2. Kifayat Academy,
5, Mian Market Ghazni street
Urdu Bazar, Lahore Ph. 7248219

3. 57 Masons Road, Headington,
Oxford OX38QL

انتساب
بنام

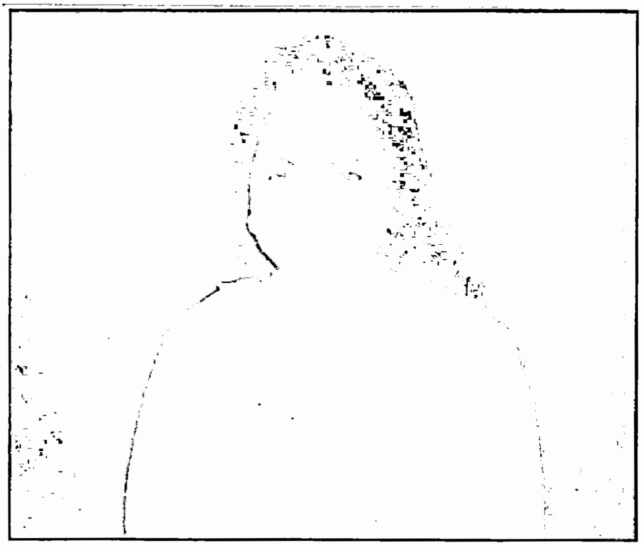

عزیز ترین بہن جاوید طاہر علی خان جن کی بے پایاں محبت اور شفقتِ بیکراں زندگی کے ہر موڑ پر میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتی رہی ہے۔

جہانِ فکر

یورپ کی یخ بستہ فضاؤں میں گرمیٔ سخن برقرار رکھنااور فکر وفن کی حدّت سے اسے مزید تابندہ بنانا ایک بڑی سعادت ہے۔ زرگریدہ بستیوں میں شعر کی خوشبو بکھیرنا اور آلام روزگار کو آسان بنانا جانداری اور جان سوزی کا عمل ہے۔ جس سے صاحب ذوق ہی نبرد آزما ہوسکتا ہے۔ ایسے صاحبانِ فکراور صاحبان ذوق میں جناب خالد یوسف کا شمار ہوتا ہے جنہوں نے تقریباً ربع صدی سے برطانیہ میں فکر وفن اور شعر وسخن کے چراغ جلا رکھے ہیں۔ اس عرصے میں انھوں نے جہاں محاِفل سخن کو اپنے لہجے سے گرمایا ہے۔ وہیں رشحات قلم کو شرمندہ اشاعت کرنے کی سعی بھی کی ہے جسکی خوبصورت مثالیں ان کے شعری مجموعے۔ حسرت گفتار، لبِ سحر، زخم سفر، اور چاندستارہ باتیں ہیں۔ خوش آئند، تلخ ترش، نرم، گرم، دھیمی، تیز اور دل میں اتر جانے والی۔ استعمار کے خلاف اور مزاحمت کی حامل شاعری کرنے والوں میں خالد یوسف کا نام ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کہ انھوں نے استعمار کے خلاف صرف روایتی طور پر ہی آواز نہیں اُٹھائی ہے بلکہ وہ خود

اس استعمار کا شکار رہے ہیں اور یہ تلخی صرف تلخ تجربات ہی کی دین نہیں ہے بلکہ اسکے پس منظر میں انسانیت کی محرومی، ظلم، ناانصافی اور کچھ انسانی بے راہ روی بھی رچی ہوئی ہے۔خالد یوسف تیز احساس اور ''دلِ گداز'' کے حامل ہیں۔ انکا یہ احساس انھیں سماجی استبداد کے آنسو رلاتا ہے اور دل گداز انسانی مجبوریوں پر درد سے بھر آتا ہے۔ خالد یوسف کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے احساس کو خالص غزل کا روپ دیتے ہیں۔ کتنی ہی جھنجھلاہٹ ہو۔ کدورت ہو وہ اپنی نظموں، غزلوں اور قطعات کو اردو غزل کی روایت سے منسلک رکھتے ہیں۔

خالد یوسف نے اصغر کی طرح آلامِ روزگار کو غمِ جاناں میں ڈھالنے کے تجربے بھی کئے ہیں اور تلخ حقیقت کا برملا اظہار بھی کیا ہے۔ انکی شاعری میں شیخ، فقیہہ، شہریار ایسے استعارے ہیں جنہیں استعمال کر کے وہ سوچنے اور غور کرنے کی بہت سی راہیں کھول دیتے ہیں۔ ایک سچے شاعر کی طرح حسن و عشق خالد کا دل بھی گرماتا ہے۔ کبھی کبھی وہ عشق و عاشقی کے گیت بھی گاتے ہیں لیکن ان کی حساس طبعیت پھر انھیں سماجی ناہمواری کا نوحہ کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

اکتوبر ۲۰۰۲ء

عقیل دانش

لندن (برطانیہ)

خالد یوسف کی شاعری

خالد یوسف کا کلام فنیّ روایات کا حامل ہونے کے باوجود ایک خاص انفرادیت کا آئینہ دار ہے ۔ انکی غزلوں میں آبشاروں کا ترنم اور جوئے نغمہ خواں کے مدھر اور رسیلی گنگناہٹ سموئی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔''صدا'' لندن اور دوسرے جرائد میں بھی اکثر ان کا خوبصورت کلام پڑھنے کو ملتا ہے ۔ ان کے یہاں غزل کا لہجہ بلند بانگ اور نمائش پسند نہیں جو بیشتر پیشِ روشعراء کا طرۂ امتیاز رہا ہے ۔

سیدہ نسرین نقاش
سری نگر - کشمیر

نومبر ۲۰۰۲ء

حرفِ چند

چنگاریاں کی شکل میں میرا یہ پانچواں شعری مجموعہ پیشِ خدمت ہے۔ اس سے قبل میرے چار شعری مجموعے "حسرت گفتار" (۱۹۷۱ء)، "لبِ سحر" (۱۹۸۷ء) "زخمِ سفر" (۱۹۹۷ء) اور "چاند ستارہ باتیں" (۱۹۹۹ء) منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

گیارہ ستمبر اہلِ پاکستان کے لئے تو ۱۹۴۸ء سے ہی یوم سیاہ رہا ہے مگر موجودہ صدی کے آغاز میں ہی ۲۰۰۱ء کے انتہائی اچانک اور غیر متوقع واقعے نے دنیا بھر کی تمام حق پرست اور ترقی پسند قوتوں کو بیحد سراسیمگی کی حالت میں پسپائی پر مجبور کر دیا ہے۔ فراستِ مومن کی بدولت کبھی قیصر و کسریٰ کے تاج زیرِ قدم آ گئے تھے مگر آج دنیا بھر میں ذلت و رسوائی ہمارا تعاقب کرتی نظر آتی ہے۔ ہم نے رسول کریمؐ کے اس فکر افروز تدبر سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا جب انہوں نے بغیر خون کا ایک قطرہ بہائے فتحِ مکہ کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا اور پھر مفتوحین کو تاریخ کی بے مثال عام معافی عطا کر کے ہمیشہ کے لئے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ آج ہماری ناعاقبت اندیش اور ضمیر فروش قیادتوں کے طفیل کشمیر، فلسطین اور چیچنیا خون میں نہائے

ہوئے ہیں۔ بائیس عرب ممالک کے بے حس حکمرانوں نے اہل فلسطین کو بھیڑیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ افغانستان میں سامراج کے مہرے بن کر ہم نے دنیا میں طاقت کے توازن کو درہم برہم کر کے یک قطبی نظامِ عالم کی راہ ہموار کی جس کے نتیجے میں ہمیں ڈرگ اور کلاشنکوف کے علاوہ کچھ نہ ملا اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ہمارا پرسانِ حال نہیں۔ پورا عالمِ اسلام اور تمام تیسری دینا کے مفلوک الحال عوام ان حماقتوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔

میں ایک ترقی پسند مسلمان ہوں۔ اسلام اپنے آغاز میں تمام ہم عصر تہذیبوں کے مقابلے میں جن میں رومی، ایرانی، ہندی اور چینی تہذیبیں شامل تھیں۔ ایک روشن خیال اور ترقی پسند فلسفہ تھا اور اسی سبب سے اسے مشرق ومغرب میں عروج بھی حاصل ہوا۔لیکن اسکے بعد تاریخ کے کسی موڑ پر (غالباً بغداد پر تاتاری یلغار ۱۲۵۸ء) روشن خیالی،ترقی پسندی، تحقیق و تجسّس اور محبت وانصاف کا وہ جہاں افروز شعلہ بجھ گیا جو اس آفاقی فلسفے کی روحِ رواں تھا۔ اجتہاد و اصلاح کے سوتے خشک ہو گئے تحریک جامد و ساکت ہوگئی اور اسکے بعد بقول اقبالؒ

ے حقیقت روایات میں کھوگئی
یہ امت خرافات میں کھوگئی

لیکن ہمیں اب بھی اگر ہوش آ جائے اور ہم افراد و اقوام کے بنیادی عقائد کی چھان پھٹک میں وقت ضائع کرنے کے بجائے خود احتسابی کے عمل سے گذریں اور اپنی صفیں درست کرنے کے ساتھ ساتھ بلا لحاظ

مذہب وملّت تمام ترقی پسند اور حق پرست عناصر کو ساتھ لے کر چلیں تو تمام داغ ہائے رسوائی کو دھونے کے ساتھ ساتھ نصرت و کامرانی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں۔ سامراجی ممالک اور انکے حلیفوں کو انفرادی طور پر نشانہ بنانے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم اپنے ہی ملکوں میں باضمیر، نیک اور حوصلہ مند افراد کو مسندِ اقتدار پر بٹھائیں جو ایک جمہوری، روشن خیال منصفانہ اور ترقی پسند معاشرے کی تشکیل میں ہماری رہنمائی کرسکیں۔

زیرِ نظر مجموعے میں میں نے تاریخ کی کچھ عظیم و مشہور ہستیوں کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کیے ہیں۔ اس سے کسی کی تنقید و تنقیص مقصود نہیں۔ میرا مسلک صرف ترقی پسندانہ ہے اور یہ تاریخی حقائق کی روشنی میں محض ایک بے لاگ اور معروضی تجزیہ ہے۔ جس سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

برطانیہ میں حالیہ چند برسوں میں اردو ادب کی فضا خاصی مسموم ہوئی ہے۔

جسکا بڑا سبب کئی اچھے شعرا اور ادیبوں کی رحلت کے علاوہ کچھ لوگوں کی بیجا اور جارحانہ تشہیر گردی، دام و درم کے بے دریغ استعمال اور قلم فروشی کی لعنتیں ہیں۔ جس نے کھرے کھوٹے کی تمیز کو یکسر مٹا کر رکھ دیا ہے۔ اور گوشہ فروشی کی لعنت کو بھی جنم دیا ہے۔

۱۹۹۹ء میں "چاند ستارہ باتیں" کی اشاعت کے بعد سے جن احباب نے خصوصی طور پر میری پذیرائی اور حوصلہ افزائی فرمائی میں انکا تہہ دل سے مشکور و ممنون ہوں۔ ان میں جناب اکبر حیدر آبادی، ضیاء جلالپوری،

محترمہ سیما جبّار، محترمہ سیّدہ حنا (مدیرہ ابلاغ، نوشہرہ) ، جناب شفاعت حسین (مدیر ہفت روزہ پاکستان پوسٹ لندن)، عقیل دانش ، فرزانہ نیناں، پروفیسر سحر انصاری، مقصود الٰہی شیخ ، ڈاکٹر اقبال پیرزادہ، ڈاکٹر غیاث الدین ، جناب اسداللہ (جرمنی) اور رحیم آصف شامل ہیں۔

ہر شب چھٹ جانے کے لئے ہوتی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ عالمِ اسلام، تیسری دنیا اور محنت کشانِ عالم پر نکبت و ادبار کے جو بادل چھائے ہوئے ہیں ۔وہ جلد چھٹنے لگیں گے اور ستاروں کی روشنی میں ۲۰۰۹ء تک تمام شیاطین عالم کا غرور پاش پاش ہوتا نظر آتا ہے ۔ البتہ اگر عالمِ اسلام اور تیسری دنیا کے مجبور و مقہور عوام کو آج بھی ہوش آجائے تو یہ عرصہ اور بھی مختصر ہوسکتا ہے۔

ہم تو اپنے آپ کو اسی ادبی قافلے کا ایک ادنیٰ فرد تصور کرتے ہیں جسکا چراغ حضرت حسّان بن ثابتؓ نے جلایا اور جس میں ترقّی پسند اور حق پرستانہ فکر کے تمام شعرا اور ادیب شامل ہیں۔فیض نے کہا تھا ؎

بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے
فروغِ گلشن و صوتِ ہزار کا موسم

اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ؎

دیدار سحر بات مقدرّ کی ہے لیکن
ہم تیرگیٔ شب کو تو کم کرتے رہیں گے

خالد یوسف

آکسفورڈ ۶ دسمبر ۲۰۰۲ء

مختصر سوانحی خاکہ

پیدائش تلہر ضلع شاہجہانپور (یو۔پی) بھارت

پاکستان آمد ۱۹۴۹ء حیدرآباد (سندھ) میں سکونت۔

تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول۔ حیدرآباد (سندھ)۔ پی۔اے۔ایف پبلک اسکول (سرگودھا) سے امتیازی نمبروں سے سینئر کیمبرج (۱۹۵۶ء)۔ گورنمنٹ کالج حیدرآباد سے بی۔اے (۱۹۵۹ء) جہاں ۱۹۵۷ء میں کالج یونین کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔

انگریزی ادب میں سندھ یونیورسٹی سے امتیازی پوزیشن سے ایم۔اے (۱۹۶۱ء) ایل۔ایل۔بی سندھ لاء کالج حیدرآباد سے (۱۹۷۱ء)

ملازمت سندھ یونیورسٹی میں بطور لیکچرار دو سال خدمات انجام دیں۔ کچھ عرصے کے لئے مسلم کالج (حیدرآباد)، سچل سرمست کالج (حیدرآباد)، پبلک اسکول (حیدرآباد) اور نیو علی گڑھ کالج ٹنڈو آدم میں انگریزی کی تعلیم دی ۱۹۶۴ء میں مقابلے کا امتحان پاس کر کے محکمۂ انکم ٹیکس میں داخل ہوئے کیونکہ طالب علمی کے دور میں جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں سرگرم رہنے کی پاداش میں مطلوبہ پوزیشن کے باوجود سول سروس کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

۸۲۔۱۹۷۶ء سفارت خانۂ پاکستان لندن میں بطور سفارت کار خدمات انجام دیں اور مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں ملک کی نمائندگی کی۔

۹۲۔۱۹۸۶ء آکسفورڈ میں اردو کی تدریس کی۔

صحافت ۱۹۶۳ء میں انگریزی ہفتہ وار ڈھاکہ ٹائمز کے نمائندہ سندھ رہے۔
۱۹۸۴۔۸۸ء آکسفورڈ سے پندرہ روزہ جمہور کا اجرا کیا اور اسکے چیف ایڈیٹر رہے اور بحالی جمہوریت کی تگ ودو کرتے رہے۔

ادبی خدمات ۱۹۷۱ء میں شعری مجموعہ حسرتِ گفتار شائع ہوا۔ ۱۹۸۷ء میں دوسرا شعری مجموعہ لبِ سحر لندن سے شائع ہوا۔ ۱۹۹۷ء میں تیسرا شعری مجموعہ زخمِ سفر شائع ہوا اور ۱۹۹۹ء میں چوتھا شعر مجموعہ چاندہ ستارہ باتیں منظر عام پر آیا۔ اسکے علاوہ ۱۹۸۳ء میں شائع شدہ شعرائے لندن میں تذکرہ و کلام بھی شامل ہے۔ بریڈفورڈ سے شائع شدہ کتب مخزن اول اور مخزن دوئم میں نثری تخلیقات اور شعری کلام شامل ہے۔ امریکہ سے شائع شدہ سخنور میں بھی تذکرہ اور کلام شامل ہے۔ حالیہ تخلیق ''چنگاریاں'' کے بعد چھٹی کتاب ''گلدستۂ فرنگ'' زیرِ طباعت ہے۔

نجوم مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں برطانیہ کی نمائندگی کرتے رہے۔ پیشینگوئیاں ہر سال دسمبر میں جنگ لندن اور دوسرے جرائد میں شائع ہوتی رہیں۔ جن میں سے بیشتر واقعات اور تاریخ کی کسوٹی پر پوری اتری ہیں۔

ترتیب

صنف	موضوع	صفحہ #
نعت	دربارِ رسولؐ میں	۱
نظم	حسین	۴
نظم	شبِ دار	۷
قطعہ	میرا ملک	۸
نظم	کب سحر ہوگی	۹
نظم	نذیر بٹ	۱۲
نظم	آواگون	۱۳
نظم	حبیب جالب	۱۵
نظم	اشتراکیت	۱۷
نظم	پچھل پائی	۲۰
نظم	چیچینا	۲۳
نظم	ہومر	۲۶
نظم	شیر افضل خان	۲۷
قطعہ	بھلا آدمی	۲۸
قطعہ	منافق	۲۸
نظم	قلمچی	۲۹
قطعہ	ہم ہر اِک کو نظر نہیں آتے	۳۰
نظم	کاروکاری	۳۱
نظم	گوتم بدھ	۳۳
نظم	جمہوریت	۳۵
نظم	جہاد	۳۷
قطعہ	اسپارٹیکس	۳۸
نظم	ارتقا	۳۹
قطعہ	نپولین	۴۱
نظم	تمہارا دامن	۴۲
قطعہ	افغانستان	۴۵
نظم	راس چکّر کے برج	۴۶
نظم	کشمیر	۵۱
قطعہ	سقراط	۵۳
قطعہ	ہٹلر	۵۴
قطعہ	نور جہاں	۵۴
نظم	لینن	۵۵
نظم	ماؤزے تنگ	۵۶
نظم	ٹراٹسکی	۵۷
قطعہ	روزا لکسمبرگ	۵۸
نظم	حضرت ابوبکر صدیقؓ	۵۹
نظم	حضرت عمر فاروقؓ	۶۰
نظم	حضرت عثمان غنیؓ	۶۱
نظم	حضرت علیؓ	۶۲
قطعہ	حضرت محمدؐ	۶۳

صنف	موضوع	صفحہ #
قطعہ	امام حسین	۶۴
نظم	امیر معاویہؓ	۶۵
نظم	یزید	۶۶
نظم	محمد عمر بن عبدالعزیزؒ	۶۷
قطعہ	محمد علی جناحؒ	۶۸
نظم	خالد بن ولیدؓ	۶۹
نظم	محمد بن قاسمؒ	۷۰
قطعہ	طارق بن زیادؒ	۷۱
نظم	سکندر اعظم	۷۲
قطعہ	لمبا	۷۳
نظم	ٹیپو سلطان	۷۴
نظم	چے گویرا	۷۵
نظم	صلاح الدین ایوبیؒ	۷۶
قطعہ	انصاف	۷۶
نظم	مہاتما گاندھی	۷۷
نظم	سبھاش چندر بوس	۷۸
نظم	حسرت موہانی	۷۹
نظم	جواہر لال نہرو	۸۰
نظم	ایوب خان	۸۱
نظم	یحییٰ خان	۸۲
نظم	جنرل ضیاء الحق	۸۳
نظم	شیخ مجیب الرحمٰن	۸۴
نظم	ذوالفقار علی بھٹو	۸۵
نظم	شیخ عبداللہ	۸۶
قطعہ	دوست	۸۶

صنف	موضوع	صفحہ #
نظم	ایک مہربان سے	۸۷
قطعہ	ڈاکٹر اولیور	۸۸
قطعہ	شعر شکن	۸۹
قطعہ	ماہیہ	۸۹
ماہیے	ماہیے	۹۰
ہائیکو	ہائیکو	۹۳
غزل	دوست معتوب مگر جان سے پیارا دشمن	۹۶
قطعہ	کارل مارکس	۹۷
غزل	بات کرتا ہے تو تنقید کی شمشیر کے ساتھ	۹۸
قطعہ	بے تکی تنقید	۹۹
غزل	جلتے رہیں کہ ہوں خموش..........	۱۰۰
قطعہ	امن اور ظلم	۱۰۱
غزل	اگرچہ غالب و مومن تھے آسمان غزل	۱۰۲
قطعہ	بے وقتے	۱۰۳
غزل	راہ تمہاری تکتے تکتے شہر ہوا ویرانہ چاند	۱۰۴
غزل	تمام شہر ہے خدشات کے حصار میں گم	۱۰۶
قطعہ	ترقی پسند	۱۰۷
غزل	ضائع کرو نہ آج کل ان پہ خمار ہو نہ ہو	۱۰۸
قطعہ	فن اور بور	۱۰۹
غزل	سیاہیوں میں بھی امکان نور پڑھتے ہیں	۱۱۰
قطعہ	بے عمل شریعت	۱۱۱
غزل	بہاروں کا پتہ گم ہو گیا ہے	۱۱۲
غزل	معذور بنادے تو سہارا نہیں اچھا	۱۱۴
قطعہ	اچھے انسان	۱۱۵
غزل	یہ نہیں ہم قبا نہ رکھتے تھے	۱۱۶

صنف	موضوع	صفحہ #
غزل	ہر کہیں ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے پیہم سنے	۱۱۸
قطعہ	تبصرے پر تبصرہ	۱۱۹
غزل	قسمت ہی آزماؤ اگر اور کچھ نہیں	۱۲۰
قطعہ	دھماکے	۱۲۱
غزل	وقت کی رہگذر میں ہم......	۱۲۲
قطعہ	جادۂ وفا	۱۲۳
غزل	جُز زخم تو کچھ ملا نہیں ہے	۱۲۴
غزل	علاج زخم محبت نہیں دعا تنہا	۱۲۶
قطعہ	دوسرا شمر	۱۲۷
غزل	فروغِ گُل کے نہ سرو وسمن کے قائل ہیں	۱۲۸
قطعہ	خیر و شر	۱۲۹
غزل	ہم لکھیں تو مٹی ہے وہ بولیں تو سونا ہے	۱۳۰
قطعہ	بزدیر درم	۱۳۱
غزل	اب سچ کہیں کہ حمدِ خریدار کیا کہیں	۱۳۲
قطعہ	آستین کے سانپ	۱۳۳
غزل	احتساب گلچین کی ابتداء مبارک ہو	۱۳۴
قطعہ	قلم فروش	۱۳۵
غزل	بہاروں کے گھر گھر قدم چاہتے ہیں	۱۳۶
غزل	ہمیں کہتے ہو آنسو روک لو طرزِ سخن بدلو	۱۳۸
قطعہ	چھیڑ چھاڑ	۱۳۹
غزل	زمانے کو جلانا چاہتا ہوں	۱۴۰
غزل	جو غم مجھے ہے مرے غمگسار کیا جانیں	۱۴۲

صنف	موضوع	صفحہ #
غزل	ہر چند دیکھنے میں ہے انسان کی طرح	۱۴۴
قطعہ	سانپ	۱۴۵
غزل	یقین کیسے کریں اسکی داستانوں کا	۱۴۶
غزل	ہر دم ہے لب شیخ پہ اک بے سروپا جھوٹ	۱۴۸
غزل	ہر قماش کا امکان اسکی دوستی میں ہے	۱۵۰
غزل	معتبر جبّہ و دستار ہے سب اچھا ہے	۱۵۲
غزل	ڈالتے ہیں بزدلوں پر خاک لندن شہر میں	۱۵۴
غزل	سورج سے کیا ٹکر لینا کوئی اسے سمجھاؤ	۱۵۶
غزل	بین لازم ہے نہ زخموں کی نمائش شرط ہے	۱۵۸
قطعہ	زندگی	۱۵۹
غزل	گرچہ کچھ تلخی حالات بھی کم ہوتی ہے	۱۶۰
غزل	غربت میں اپنے دیس کے منظر......	۱۲۶
قطعہ	فن کا جن	۱۶۳
غزل	ہوتا جو میسّر ترا دیدار وغیرہ	۱۶۴
نظم	اردو	۱۶۶
قطعہ	پرچار	۱۶۸
قطعہ	نیوٹن	۱۶۹
قطعہ	فرض و جرم	۱۶۹
قطعہ	فنکار	۱۷۰
قطعہ	جوہری خطرہ	۱۷۰
نظم	حیدرآباد (سندھ)	۱۷۱

دربارِ رسولؐ میں

(یہ نعت ۱۴ نومبر ۱۹۹۹ء کو روضۂ رسولؐ کے ساتھ بیٹھ کر کہی گئی)

آزار میں آلام میں ڈوبی ہوئی اک عمر
دربارِ رسالت کی تمنّا میں گزاری

دو بار لبِ مرگ ہوئے کس کو خبر تھی
اک روز چمک جائے گی تقدیر ہماری

جس جوشِ عقیدت سے اُمنڈ آئے ہیں مومن
اس منظرِ پرنور کی ہے بات ہی کچھ اور

جس جذبۂ ایمان کا چرچا ہے شب روز
صادق ہو تو ہے لطف ملاقات ہی کچھ اور

افسوس مگر یہ ہے کہ اسلام کے خطّے
ابتک ہیں جہالت کے اندھیروں میں گرفتار

جاگیر پرستی کے جہنّم میں چمن ہے
ابنائے وطن قرض کے بندھن میں تہہ دار

پیرانِ حرم ہوں کہ سپاہی ہوں کہ سردار
انصاف و مرّوت ہے نہ آزادی کشمیر

حرص وہوسِ مسند و زر دین ہے سب کا
ہر چند کہ سب کچھ ہے مگر ملک ہے نادار

بازار کی ہر جنس پہ فرعون ہیں قابض
مخلوق کے حصّے میں فقط گرمی بازار

حرمین میں بھی اپنے گداگر ہی نظر آئے
اس پر بھی یہ دعویٰ ہے کہ ہم لوگ ہیں خوددار

ہے مسکنِ احباب کی ہر چیز نخالص
تابانیِ گفتار نہ تابانیِ کردار

پیوستہ مفادات کا فرسودہ تمدّن
تخلیق کیے جاتا ہے غدّار ہی غدّار

ہیں گرچہ تنو مند مگر ذہن ہیں بیمار
آزادی و انصاف کے قائل ہیں تو کفّار

ہم کیسی روایاتِ درخشاں کے امیں تھے
ہم کیسے اندھیروں کے ہوئے آج پرستار

اب لائیں تو الفاظِ دعا کیسے زباں پر
کس منھ سے کریں ہم شہِ لولاکؐ کا دیدار

عاصی ہیں مگر رشتۂ ایماں نہیں توڑا
ہیں اب بھی حضورؐ آپ کی شفقت کے طلبگار

حسینؓ

رسالت کی ساری درخشاں روایات کا وہ امیں تھا
شہنشاہیتِ ضد ہے اسلام کی یہ اسے بھی یقیں تھا
نہ تھے تاج وطبل وعلم اسکی منزل
کہ مسند نشینی کے جھگڑوں سے وہ ماورا تھا
لگن تھی تو بس مسلکِ مصطفیٰؐ کی
طلب تھی تو صرف اپنے رب کی رضا کی
جب آنے لگے کوفیوں کے بلاوے، بلاوے، بلاوے
(وہ کوفی جو برسوں علی کی نوازش کے پھل کھا چکے تھے، نہ کام
آئے لیکن علی کے حسن کے)
وہ سمجھا کہ اس بے حسی کے سمندر میں موجِ وفا جاگ اٹھی

ہزار اسکو احباب نے باز رکھنے کی کوشش بھی کی
وہ مگر چلدیا جانبِ کوفہؑ و کربلا
اس غرض سے کہ شاید اسی طور طاغوت کا
تختِ طاؤس ڈھل جائے تختِ اجل میں
مگر اہلِ کوفہ کے دل گرچہ تھے ساتھ اسکے
یزید انکے تیغ وسناں کا خدا تھا
جہاد ان دنوں ہند کی سرحدوں پر بپا تھا
شہہِ کربلا نے جو صورت یہ دیکھی تو اس
انتشارِ گلستاں سے تنگ آ کے چاہی اجازت
کہ پہنچیں انھی سرحدوں پر
مگر شرط اشرار نے پیشگی بیعت آمریت کی رکھدی
بنا ظلم کی حاکمیت کی رکھدی
حسین ایسی اقدار کا پاسباں تھا
کہ اسکے لئے یہ اطاعت
یہ جاں کی اماں کی ضمانت

گناہِ کبیرہ تھی اک مہرِ تصدیق تھی اہرمن پر
وہ تاجِ شہیداں جو بے ساز و ساماں تھا
ہو کر نبرد آزما ظلمتوں سے سدا کے لئے بن گیا
چرخِ تاریخ کا مہر تاباں
ہمارے لئے اک مثالِ درخشاں

قطعہ

کل تک انکی آنکھ کا تارا، مجاہد، سورما
آج وہ شرکار ہے، رہزن ہے، دہشت گرد ہے
اپنے حق کے واسطے لڑنا سرا سر گمرہی
ہے وہی برحق جو انکل سام کا ہمدرد ہے

شبِ دار

کیا سنو گے اے رفیقو، غمگسارو، دوستو
کیا بتاؤں کسقدر تاریک تھے وہ روز و شب

کیا قیامت کی گھڑی تھی کیا اذیّت کا مقام
ایک اک لمحہ چراغِ زندگی تھا جاں بلب

جانے کس دل کی دعا تھی جو مرے نام آ گئی
سوچتا ہوں کونسی نیکی مرے کام آ گئی

وحشت و تنہائی تھے ہر دم شریکِ جاں مگر
زندگی کو رفتہ رفتہ ہمسفر ملتے گئے

گلشنِ افرنگ میں بھی راہزن تھے بے شمار
لیکن اس ماحول میں بھی راہبر ملتے گئے

کیا سہا غربت میں اتنی دیر میں نے کیا کہوں
کن اندھیروں کو کیا ہے زیر میں نے کیا کہوں

آگ کے دریا سے بھی ہنس کر گزر آیا ہوں میں
موت کی سرحد سے زندہ لوٹ کر آیا ہوں میں

مرا ملک

خدا کرے کہ مرا ملک شادمان رہے
ہر ایک جنگ میں غالب ہو کامران رہے
وہ کامیاب کہ ناکام ہو مگر خالد
ہمیشہ حق و صداقت کا پاسبان رہے

کب سحر ہوگی

تمنّاؤں کے بن گلزار ہونگے تب سحر ہوگی
عقاب و فاختہ بھی یار ہونگے تب سحر ہوگی

عقیدے تو رہیں گے لیکن انکو ماننے والے
نہ باہم برسرِ پیکار ہوں گے تب سحر ہوگی

عبادت گاہ ڈھل جائے گی ایوانِ اخّوت میں
نہ ملاّ درپئے آزار ہوں گے تب سحر ہوگی

بلاتخصیص رنگ ونسل و ملک وشہر یا بولی
سبھی انصاف کے حقدار ہونگے تب سحر ہوگی

گدائی کا تصوّر محو ہو جائے گا ذہنوں سے
فنا سب جسم کے بازار ہوں گے تب سحر ہو گی

حسینانِ چمن پا بستۂ ظلمت نہیں ہونگی
مقدّس چادر و دیوار ہونگے تب سحر ہوگی

جنھوں نے قرض کے گرداب میں ہم کو ڈبویا ہے
وہ دریا برد ہونگے خوار ہونگے تب سحر ہوگی

عوام الناس ہوں جیسے بھی کم از کم جو رہبر ہیں
جری اور صاحبِ کردار ہونگے تب سحر ہوگی

ہمارے منتخب کردہ کہ قدرت کے چنیدہ ہوں
مجاہد قافلہ سالار ہوں گے تب سحر ہوگی

یہ کیسے نامساوی قاعدے تقسیمِ دولت کے
ہم انکے قتل پر تیار ہونگے تب سحر ہوگی

جوئے اور سود سے کرنا ہے پاک اپنی معیشت کو
ادارے مشفق و غمخوار ہونگے تب سحر ہوگی

جدید انداز کی تعلیم مفت و لازمی، وافر
ہم ایسے نظم کے معمار تب سحر ہوگی

بہت کچھ سیکھنا ہے ہم کو میثاقِ مدینہ سے
فلاحی عہد کے دیدار ہونگے تب سحر ہوگی

اڑیں گے ہر طرف آئینِ دقیانوس کے پرزے
ہمارے ذہن بھی احرار ہونگے تب سحر ہوگی

نہیں ممکن یہ ظلمت خود بخود خالد بکھر جائے
ہمیں قبلِ سحر بیدار ہونگے تب سحر ہوگی

نذیر بٹ (ضیا جلالپوی)

ستم گروں کو ستم انکی شاعری یارو
مگر ہمارے لئے تازہ نغمگی یارو

سمیٹتے ہیں محبت ہر ایک محفل میں
بکھیرتے ہیں یہ ہر سمت روشنی یارو

اگرچہ سرو و سمن کو ابھی شعور نہیں
مگر ہے وقف چمن انکی زندگی یارو

ہم انکی شخصیت و فن سے کیوں نہ پیار کریں
نذیر بٹ ہیں علامت خلوص کی یارو

آواگون

کسی پہ پہلی ملاقات ہی میں ریجھ گئے
لگا کہ جیسے شناسائی مدتوں سے ہے
کسی سے پہلی ملاقات ہی میں لڑ بیٹھے
لگا کہ جیسے ملے ہوں قدیم دشمن سے

یہ کیا کہ کوئی شہنشاہ اور کوئی فقیر
کسی میں قوتِ رستم کوئی سدا کا مریض
کوئی تو شیکسپیئر، میر و غالب و اقبال
کسی کو شعر و سخن کا خیال تک جنجال
ہر اک نگاہ کا مرکز کسی کا حسن و جمال
کسی کی شکل سے ڈر جائیں دن میں بھی اطفال

کوئی خلوص کا پیکر کوئی فرشتہ لگے
کسی کو دیکھ کے شیطان کا خیال آئے
کسی میں نغمہ بربط کوئی شکر آواز
تو کوئی زاغ و زغن کو بھی سرفراز کرے
کوئی تو علم کا ساگر کوئی ظلوم و جہول
کوئی نشانۂ نفرت کوئی بہت مقبول

یہ نظم و ضبط بظاہر تو منصفانہ نہیں
مگر سزا و جزا کے نظامِ قدرت میں
جنم جنم کے سیاہ و سفید کا قصّہ
اسی طرح سے رقم ہورہا ہو، ممکن ہے
یہی عدالتِ حق کی ادا ہو، ممکن ہے

حبیب جالب

روشنیوں کا متلاشی وہ شاعر بھی تھا مجاہد بھی
ہر ظالم کو للکارا ہر آمر سے ٹکرایا وہ
لالٹین جمہور کی لے کر مادرِ ملّت نکلیں جب
قریہ قریہ بستی بستی جالب انکے ساتھ رہا
ماں کے قدموں میں جنّت ہے اس نے بے خوفی سے کہا
لوگو ظلم کا ساتھ نہ دو مستقبل کو ویراں نہ کرو
جھوٹے خلعت کے وعدوں پر جسمِ وطن عریاں نہ کرو
آمریت تو جیتی لیکن دھوکے دھونس سے جھرلو سے
ملک کو غارت کرکے دو ٹکڑے کرکے آرام ملا
جالب کو بھی قید و بند کی صورت میں انعام ملا
ایک طرف وہ سر بکفن تھا ایک طرف تھی ساری خدائی

بھٹو شاہی بھٹکی تب بھی جالب نے آواز اٹھائی
نعرہ باز سیاستدانوں سے وہ سدا بیزار رہا
اسکی نگاہوں کا مرکز تھے مفلس اور مظلوم عوام
استبدادی شیطانوں کے حق میں وہ تلوار رہا

دورِ ضیا کی ہر لغزش پر ٹوکا اس نے جرأت سے
جا ٹکرایا گنبد بے در سے وہ اپنے شعر لئے
وہ جو سرِ مقتل رہتا تھا کوئی زمانہ ساز نہ تھا
ظلم سے سمجھوتہ کرلیتا یہ اسکا انداز نہ تھا
مرتے دم تک کلمۂ حق اس مردِ خدا کے لب پہ رہا

اسکی جانبازی کی بدولت صحنِ گلستان میں خالد
بیباکی سے سچی باتیں کہدینے کا طور چلا

اشتراکیت

بجا کہ فلسفۂ مارکس مادّی ہے مگر
پیمبروں کی روایاتِ منصفانہ سے
جُڑا ہوا ہے کچھ ایسا کہ جیسے شاخ سے پھول
وہی محبتِ انساں برابری کے اصول

نہ آتا روس میں گر سرخ انقلاب تو پھر
بلادِ غرب فلاحی کبھی نہ بن پاتے
تجوریوں کی بقا کا یہی طریقہ تھا
کہ لطفِ خاص سے کشکول بھر دیئے جائیں
تمام اہلِ سخن گنگ کر دیئے جائیں
ہر انقلاب میں ہوتا ہے کچھ تو خوں کا زیاں

اگر چہ جبرِ ریاست ہے نقطۂ آغاز
حقوقِ فرد کا اور اک بھی ضروری ہے
حدودِ ملکیت و زر ہزار مستحسن
برائے طائرِ تحقیق و جدت و تخلیق
مگر فراخیٔ افلاک بھی ضروری ہے

ہر ایک کو جو میسر ہو باوقار حیات
ہر اک کو اپنی تگ و دو کا محنتانہ ملے
مکاں علاج مناسب سہولت تعلیم
ہر آدمی کو ملے اور منصفانہ ملے
تو پھر کسی سے ہم اہلِ وفا کو کیا لینا
کوئی بھکاری نہ ہو اور کوئی شکاری نہ ہو
کسی مقام پہ ایٹم کی تابکاری نہ ہو
زمیں پہ امن دلوں میں ہو نور الفت کا
برائے ذلت و تحقیر پاپیادہ عوام
گلی گلی میں کسی شاہ کی سواری نہ ہو

ہم آپ اپنے درو بام کے محافظ ہوں
ہم آپ اپنی اراضی کے مالک و مختار
بڑھے ترقی کی جانب ہر اک قدم اپنا
وہ روشنی ہو بکھر جائیں ظلمتوں کے حصار
مسرتوں کی علامت بنے علم اپنا
تو یہ نظام اسے خواہ کوئی نام ملے
اسی سے ہم بھی زمانے میں سرخرو ہونگے
تمام اہلِ صداقت کی آبرو ہوں گے

پچھل پائی

ترجمہ وِچ[1] کا کردیا ہے چڑیل
اور سیکیولر[2] بنادیا لادین
اک لغت ساز کا کرم دیکھو

وچ کوئی روحِ بد نہیں ہر گز
وہ بھی ہیں گوشت پوست کے انسان
یہ تو دراصل ایک فرقہ ہے
جو مسیحی عروج سے پہلے
مقتدر تھا دیارِ مغرب میں
دین انکا مظاہرِ فطرت

---

(1) Witch (2) Secular

کی پرستش کے گرد رقصاں ہے
اور قومِ ہنود کی مانند
وہ بھی آواگون۔ کے قائل ہیں
رومیوں کو جب اقتدار ملا
ہوگئے جز مسیحیت معتوب
دوسرے سب مذاہب و مسلک
اکثریت تو بن گئی عیسائی
لیکن اک اقلیت درونِ مکاں
چھپ کے اپنی ڈگر پہ چلتی رہی
اور پکڑے گئے تو برسرِ عام
ہوئے مصلوب یا جلائے گئے

وہ درونِ مسیحیت جھگڑے
فرقہ در فرقہ کشت و خون و فساد
آخرش چند باشعوروں نے
وصفِ برداشت و رواداری

کی طرح ڈالدی سیاست میں
نام اسکا سیکیولرزم رکھا
جو رہا سارے صوفیا کا طریق
کوئی مذہب نہیں ریاست کا
سب کو آزادئ عقیدۂ و فکر
سب برابر نگاہِ سلطاں میں
محترم سارے گل گلستاں میں

اس میں لادینیت کہاں سے آئی ؟
کیسے قاتل مذاق کرتی ہے
تنگئ فکر کی پچھلی پائی

چیچنیا

فرازِ قاف پہ ہے طور کا سماں دیکھو
وہ ظلم و جبر کے پربت ہوئے دھواں دیکھو
ہزار سر بکفن مرد و زن نکل آئے
علم اٹھائے گل و یاسمن نکل آئے
مئے یقین سے سرشار کچھ ابابیلیں
سپاہِ فیل سے کوہِ رواں سے الجھی ہیں
وفورِ طیش میں پریاں بھی دیو زادوں پر
بقا کا عزم لئے موت بن کے جھپٹی ہیں
ہر ایک قلب میں قندیل ہے صداقت کی
ہر اک جوان کی منزل عروسِ آزادی
ہر ایک سمت بپا شورِ نعرۂ تکبیر

شتاب ٹوٹنے والی ہے کفر کی زنجیر
بچھائے آج کوئی لاکھ دامِ نفقۂ و نان
سب اختیارِ امورِ حیات مانگتے ہیں
ہر اک کو چاہئے اپنے وجود کی پہچان
یہ آرہی ہے صدا کابل و بدخشاں سے
بنے گا چیچنیا روسیوں کا قبرستان

دیارِ بوزنیا ہو کہ کاسوو کا چمن
وہ انبیا کی زمیں گلشنِ فلسطیں ہو
کہ مدتوں سے لہو رنگ جنتِ کشمیر
یہ سارے خونِ شہیداں کا اعتبار لئے
جہادِ چیچنیا سے امید رکھتے ہیں
کسی بھی رنگ کا ہو سامراج ہے طاغوت
غنیم ہو کہ ہمارے منافقانہ امیر
سب ایک روز نظر آئیں گے تہہِ شمشیر
تمام شاہ بنیں گے ہمارے در کے فقیر

ہم آج پابہ سلاسل لہولہان سہی
بدن میں قوتِ ضربِ شدید رکھتے ہیں
حسین و خالد و طارق کی عظمتوں کے امیں
علاجِ نخوت شمر و یزید رکھتے ہیں

ہومر

شہر در شہر وہ مارا مارا پھرا
کوڑیوں کے عوض گیت گاتا پھرا
گر چہ نورِ بصارت سے محروم تھا
شاہکار ایلیڈ اور اوڈیسی سے
اہل یونان کو نوعِ انسان کو
دے گیا صدقۂ حسنِ ہیلن میں وہ
ٹرائے کو جسکے جلووں نے غارت کیا

کس مپرسی کی حالت میں گو وہ مرا
اسکے نغموں کا جادو ذرا دیکھنا
سات شہروں کو اسکا وطن ہونیکا
آج دعویٰ ہے یہ فن کا ہے معجزہ

آہ شیر افضل خان

(وفات ۲۷ مئی ۱۹۹۹ء)

شیر افضل خان تھا زندہ نشانِ آکسفورڈ
اسکے دم سے تھا درخشاں آسمانِ آکسفورڈ
ہوگیا نذرِ خزاں جو گل چمن کی جان تھا
کر گیا صد حیف ویراں گلستانِ آکسفورڈ

وادیٔ جہلم سے اک ابرِ کرم بن کر اٹھا
اور دیارِ غرب پر حق کے گہر برسا گیا
نصرتِ محنت کشاں بیداریٔ جمہور کے
دیکھتا تھا خواب وہ اوروں کو بھی دکھلا گیا
خود پرستوں مصلحت بازوں کے جمگھٹ میں بھی وہ
خلق و ایثار و محبت کا علم لہرا گیا

دے گیا انسانیت کا ایک درس یادگار
کہہ گیا باتوں ہی باتوں میں بہت وہ کم سخن
ایک مدت تک اسے روئیں گے اہلِ انجمن

بھلا آدمی

کسی نے کسی سے کہا تم بھلے آدمی ہو
تو وہ ہنس کے بولا
تمہارا ابھی مجھ سے پالا پڑا ہی کہاں ہے

منافق

شریف آدمی وہ نہیں ہے جو ہر بات پر مسکرا دے
اگر مسئلہ حق و باطل کا ہو اور چپ سادھ لے وہ
تو بزدل ہے یا پھر منافق ہے پکا
مگر وہ شریف آدمی تو نہیں ہے

قلمچی

جسکو نقد و نظر کا دعویٰ ہے
علم جسکا فلک کو چھوتا ہے

جسکو زعم زباندانی ہے
ساتھ صد فخرِ خاندانی ہے

کبھی ذرے کو آفتاب کرے
کبھی سورج کو بے نقاب کرے

کچھ حقیقت کا رنگ بھی تو دکھائے
پہلے اپنے ضمیر کو تو جگائے

کربِ تخلیق سے بھی گذرے کاش
بے تعصب بھی کچھ تو لکھے کاش

لیکن اسکا نہیں کوئی امکان
نہیں طاغوت کا کوئی ایمان

بات کذب و ریا میں ڈوبی ہوئی
مصلحت بستہ ہر قدم اسکا

جان مُردوں میں خاک ڈالے گا
دمِ عیسیٰ نہیں قلم اسکا

قطعہ

ہم ہر اک کو نظر نہیں آتے
کور ذہنوں کی بادشاہت ہے
دیکھنے کے لئے ہمیں خالد
تیسری آنکھ کی ضرورت ہے

کاروکاری

یہ کن جہل کے گھپ اندھیروں میں تم چل رہے ہو؟
زمیں پر ہی دوزخ کے شعلوں میں کیوں جل رہے ہو
تمہارا حرم شہرِ الزام میں ہے
محبت پہ قدغن کس اسلام میں ہے؟
یہ کیا کاروکاری یہ قرآن سے شادیاں کیا؟
بنامِ خدا صنفِ نازک کی بربادیاں کیا؟
یہ سفاک رسمیں مفاداتِ پیوستہ کی آبیاری
یہ اک کلیّہ ہے یہ ہے ایک روشن حقیقت
کہ انسان ماں کے شکم سے ہی آزاد پیدا ہوا ہے
یہ کیا قید و زنداں یہ کیسے سلاسل؟

برائے خواتین اخلاق کے دہرے معیار کیوں ہیں؟
توانا قبیلوں کے ذہن اتنے بیمار کیوں ہیں؟
کہیں حق نہیں صرف باطل ہی باطل
یہ عزت نہیں ہے یہ بے غیرتی ہے
یہ تہذیب کیسی یہ سوداگری ہے
بہیمانہ رسموں سے کرتے ہو آلودہ دامن
کھلاتے ہو جو خونِ ناحق سے خونِ تمنا سے گلشن
یہ گلشن تمہارے سنہرے اصولوں کے گلشن
حقیقت میں ہیں یہ تمہارے ہی مدفن
تم اس نارِ نمرود میں ایک دن آپ ہی جل مرو گے
کہاں تک بشر کے تقدس کو رسوا کرو گے
بہت جلد یہ خلقِ مظلوم بیدار ہوگی
تو پھر ہر کلی جو تبسم فشاں ہے
تمہارے لئے صرف تلوار ہوگی

گوتم بدھ

وہ شاہزادہ ہمالہ کی اک ریاست کا
تعیّشات کا ناز و نعم کا پالا ہوا
جب اس نے صورتِ حالات پر نظر ڈالی
اذیتوں سے عبارت یہ مادّی دنیا
اسے حقیر لگی تخت و تاج چھوڑ آیا

یہ طولِ حرص و تمنا یہ جال مایا کا
مسافرانِ صداقت کی چشمِ بینا میں
فضول ہیں خس و خاشاک سے زیادہ نہیں
رہے جو نیک عمل قصرِ زیست کی بنیاد
تو آدمی کو ملے ساری کلفتوں سے نجات

طلوع اس پہ ہو نروان کا وہ مہر منیر
کہ اس پہ رشک کریں گیسوئے ہوس کے اسیر
مگر وہ بھیک کی عظمت کا فلسفہ اسکا
مری نگاہ میں تاحال معتبر نہ ہوا
کہ انکسار سکھانے کے اور بھی ہیں طریق
رہِ حیات میں محنت ہے پُروقار رفیق

بڑی حسین بلاؤں نے آزمایا اسے
جتن ہزار کیئے تب سکوں گیا کا ملا
کوئی ثبوت جب اسکو نہ کبریا کا ملا
تو وہ خموش رہا یہ بھی اسکی عظمت ہے

مساویانہ سماج امن و آشتی کا چلن
فقط اسی کی نہیں وقت کی ضرورت ہے

جمہوریت

اکثریت ناخواندہ ہو تو ناقص ہے نظمِ جمہور
اس کارن لازم ہے گھر گھر میں تعلیم کا چرچا ہو
ہر بالغ کو ووٹ کا حق ہو اور چناؤ ہو مخلوط
پابندی امیدوار پر ڈگری اور اخلاق کی ہو
جسکو عدالت مجرم کہہ دے ہو اس پر دروازہ بند
پارٹی سسٹم اور متناسب رائے شماری اچھی ہے
پارٹیوں کے اندر بھی لازم ہے کہ رائے شماری ہو
وقفے وقفے سے ہوں الیکشن طاقت کا سرچشمہ عوام
خلق کے خدمت گار ہوں اور بدلیں آسانی سے حکام
بالا دستی ہو قانون کی اور صحافت ہو آزاد

رہبرِ نیک ملے تو آمریت بھی ہو سکتی ہے خوب
لیکن ایسا شاذ ہوا ہے اس پر تکیہ کرنا کیا
وہ جو نظامِ جمہوری ہے اسکی شان نرالی ہے
اپنی جملہ خامیوں کے باوصف یہی افضل ہے نظام

جہاد

راستے بند جب انصاف کے سب ہو جائیں
ایک بھی صدق کے گردوں پہ ستارہ نہ رہے
کوئی درماں نہ ملے اور کوئی چارہ نہ رہے
ایسے ظلمات کی لہروں سے ابھرتا ہے جہاد
جس کے سائے سے بھی ہو جاتے ہیں لرزاں جلاد

ہو اگر جان کی عزت کی حفاظت کے لئے
ساری کاوش ہو گر آزادی کی نعمت کے لئے
یا تگ و دو کسی غاصب کی ہزیمت کے لئے
کربلا کا ہو وہ میدان کہ ہو چیچنیا
ویت نامانہ جھپٹتے ہوئے کشمیر کے شیر

جاں ہتھیلی پہ لئے ارضِ فلسطین کے دلیر
یا ہم ایسے جو کریں اپنے قلم سے تحریر
حرفِ حق مدح وفا ہجو ستم بے تخصیص
کتبۂ ظلمتِ شب لوح مزار ابلیس
ہوسکے ہم سے یہ خدمت تو یہ خدمت ہے جہاد
اور اس راہ میں گر جان سے جائیں تو شہید
روشن اپنے ہی لہو سے کریں شمعِ امید

اسپارٹیکس (۱)

افیون زدہ آخر کب تک منھ سچائی سے موڑیں گے
ہم کو ہی پہل کرنی ہوگی اللہ پہ کیا کیا چھوڑیں گے
جس شکل میں ہوتوہینِ بشر جس روپ میں بھی ہو لعنت ہے
گر ہم نہ سہی ہم جیسے ہی زنجیر غلامی توڑیں گے

---

(۱) رومی غلاموں کا باغی رہنما جس نے غلامی کے طوق کو اتار پھینکنے کے لئے علم بغاوت بلند کیا اور کئی فتوحات کے بعد شکست کھائی اور ۱ے ق۔م میں تختۂ دار کو چوما۔

ارتقا

ازل سے بہے جا رہا ہے یہ دریا
قدم ارتقا کے رکیں گے نہ پہلے رکے ہیں
کبھی یوں بھی لگتا ہے گردش میں ہے ارتقا کا ستارہ
مگر یہ فریبِ نظر ہے کہ تاریخ آگے ہی بڑھتی رہے گی
یہ ندی بہرحال چڑھتی رہے گی
وہ آدمؑ وہ نوحؑ و براہیمؑ و موسیٰؑ
کبھی ابنِ مریمؑ کبھی شاہِ لولاکؐ کا عہدِ زریں
وہ اک ابرِ رحمت جو برسا تھا کوہ و دمن پر
وہ موئن جو داڑو کی تہذیب کہنہ
وہ چین اور یونان کے اہلِ دانش

وہ اہرامِ مصر اور وہ مینارِ بابل
وہ آتشکدے اہلِ ایران کے اور وہ ہندی شوالے
وہ سقراط و ہومر، فلاطون، ارسطو
غلاموں کی محنت پہ مبنی وہ تہذیبِ روما
وہ کنفیوشس و طاؤ، رام و کرشنا
وہ گوتم کا درسِ مساوات اور راستبازی
وہ گیلیلیو اور نیوٹن، کبھی ابن رشد ابن سینا
وہ تاریخ کا مارکس کا تجزیہ بر بنائے معیشت
وہ ظلمت شکن لینن و ماؤ کی انقلابی تگ و دو
وہ ایٹم کی لعنت، کبھی ہیروشیما کبھی ناگاساکی
مگر پھر مبارک قدم نیل کے چاند کی وادیوں پر
یہ سب سنگ میل ارتقا کے یہی کہہ رہے ہیں
کہ حتمی نہیں حکمنامے نہ کوئی تمدن
فلاحِ بشر ذہن و دل کے توازن کی جادوگری ہے
جو ہوں مقتدر نیک طینت جری عادلانہ

لگائیں نہ آزادیٔ فکر و اظہار پر کوئی قدغن
تو پھر ارتقا کا عمل تیز ہوگا بشر کی ترقی کی راہیں کھلیں گی
نمودار امن اور انصاف کی صبح ہوگی
نئے لطف و تفریح کی سیر گاہیں کھلیں گی

نپولین

تھامے آزادیٔ و انصاف کا دلکش پرچم
چلتے رہتے تو سرِ شہر تمنا ہوتے
ہم ستارہ تھے امیدوں کا مگر ڈوب گئے
حرصِ شاہی میں نہ پڑتے تو مسیحا ہوتے

تمہارا دامن

تمہارا دامن لہو سے تر ہے
کبھی یہ جاپان کا لہو ہے کبھی یہ خوں ویت نام کا ہے
پناما، کیوبا، نکاراگوآ، کبھی نشانہ عراق ولیبیا
اور اب یہ افغانیوں پہ یورش
تمہیں بتاؤ کہ کون دہشت کا دیوتا ہے؟

لڑے جو آزادی و بقا کے لئے وہ دہشت پسند کیسے
وطن کی خاطر جو رن میں اترے وہ لائقِ صد گزند کیسے
بشر جہنم میں جائے لیکن تمہارا پیمانہ مال و دولت
تمہارے معیار کے مطابق تو جارج واشنگٹنی بھی دہشت
یہ ہم نے مانا کہ وہ جو کابل کے حکمراں تھے

تمہاری منشا سے مختلف تھے
ہماری مرضی کے بھی نہیں تھے
کہ توڑ کر بدھ کے بت کو جو بامیاں میں صدیوں سے جلوہ گر تھا
جو غزنوی بت شکن کی آنکھوں میں بھی نہ کھٹکا
انہوں نے خود اپنے دوستوں کو بھی اس حماقت سے
اپنا دشمن بنالیا تھا
سلوک انکا جو صنفِ نازک سے تھا وہ اسلام ہی کہاں تھا؟
بزورِ شمشیر لیکن انکو ہٹا کے اپنے سوار و پیادہ
بساطِ افغان پر جمانے کا حق تمہیں کس خدا نے بخشا؟
نظر تو دوڑاؤ اس زمیں پر جو آج خوں رنگ ہو چکی ہے
بس اک بشر کی تلاش ہنگامۂ تعاقب!
کھنڈر ہوئے شہر اور کوہ و دمن میں بارود بس گئی ہے
لہو سے اپنے جو کر چکے تھے مفادِ مغرب کی آبیاری
تمہاری خاطر جو سرخ کوہِ گراں سے ٹکرا گئے بعجلت
مگر وہ کوہِ گراں جو ٹوٹا تو ان فقیروں کی جھولیوں میں

سوائے اشکوں کے کچھ نہیں تھا
تمہارے در سے بطورِ خیرات صرف رسوائیاں ملی ہیں
مہیب تنہائیاں ملی ہیں

ملے جو انصاف ہر کسی کو تو کوئی دہشت پسند کیوں ہو
سلیں اگر چاکِ زخم کشمیر اور فلسطین
تو کوئی سوچے ہی کیوں ستمبر کی گیارھویں کا
تو کوئی تاریخ کے الاؤ کا بن کے ایندھن
تمہارے میناِر جاہ و نخوت کی رفعتوں سے
اذان کیوں دے فقط فنا اور تباہیوں کی؟
سنائے روداد صرف موت اور مقبروں کی؟

یہ لاؤ لشکر مہیب انبار اسلحہ کے
نہ کام آئے اسیریا کے نہ ان سے اسپارٹا کو حاصل ہوئی بقائے دوام
ہرگز
ملا نہ تیغ و تفنگ سے نازیوں کو کچھ بھی

ہوا جو بوئی تو صرف فصل آندھیوں کی کاٹی
یہی اساطیر کا سبق ہے یہی ہے تاریخ کی حقیقت
کہ صرف اقدار ہی امر ہیں کہ اصل طاقت اصول کی ہے
اگر صداقت کے گل نہ مہکیں
تو صرف کھیتی ببول کی ہے

افغانستان

ساتھ بمباری کے سوغاتِ غذا دیتے ہیں لوگ
ملتِ افغان کو کیسی سزا دیتے ہیں لوگ
انتہا رحم و کرم کی ہے کہ چوہے دان میں
نزد کرسمس کیک کا ٹکڑا لگا دیتے ہیں لوگ

راس چکّر کے برج

۱۔حمل(Aries)

قیادت، مہم جوئی، عجلت پسندی
وہ غصہ، وہ اسراف، فطرت زقندی
تگ و تاز پیہم، حوادث کی دنیا
شب و روزِ آزاد میں سربلندی

۲۔ثور(Taurus)

وہ صبر و سکوں، محنت و جانفشانی
وہ انبارِ زر، خدمتِ خاندانی
وہ نغمے، وہ کھانے، وہ مہماں نوازی
وہ ضد وہ روایات کی حکمرانی

۳۔جوزا (Gemini)

وہ پیہم تغیر، تلون مزاجی
سخن ہائے دلچسپ تتلی سماجی
وہ بے چین اعصاب بیخواب آنکھیں
وہ ہر امر دو بار اور بے رواجی

۴۔سرطان (Cancer)

یہ گھر بار یہ اہل خانہ ہمارے
سدا خوش رہیں اپنی آنکھوں کے تارے
بڑھے رزق و دولت رہیں دسترس میں
یہ تاریخ پارے یہ آبی نظارے

۵۔اسد (Leo)

طبیعت میں شیری، سخا اور شاہی
بڑی شان و شوکت وہ عالم پناہی
شکار اور پکنک نئے روز ڈرامے
عمل مجلسی اور دل خانقاہی

۶۔سنبلہ(Virgo)

صفائی، نفاست ہے ایمان اپنا
بجٹ اور تنقید عنوان اپنا
ہے روحانیت اور خدمت میں راحت
چمن زارِ صحت ہے حفظان اپنا

۷۔میزان(Libra)

فنونِ لطیفہ، کتابوں کی دنیا
درِ فیصلہ بے شتابوں کی دنیا
محبت کے انصاف کے آشتی کے
مہکتے ہوئے سو گلابوں کی دنیا

۸۔عقرب(Scorpio)

برا یا بھلا انتقامی تصور
چُھپا انتہائی دوامی تصور
کڑا حافظہ مسئلے استقامت
رہِ جنس میں شادکامی تصور

۹۔قوس (Sagittarius)

سفر، کھیل، گھڑ دوڑ، سٹے سے رغبت
جدھر بھی چلے برق رفتار حرکت
امیدوں کے پیکر نہ کچھ فکرِ فردا
جو شے ہو بدیسی وہی خوبصورت

۱۰۔جدی (Capricon)

وقار و متانت، سیاست کا مظہر
کفایت، مہارت، تحکم کا پیکر
ہے پابندیٔ وقت ترتیب لازم
لگن اور محنت سے دنیا مسخر

۱۱۔دلو (Aquarius)

روش لا ابالی ہے آزاد فطرت
بہت مجلسی دوستانہ طبیعت
نظریئے تحاریک یا دشتِ دانش
سدا جستجو اور بشر سے محبت

۱۲۔حوت(Pisces)

ہر اک شے میں رومان خوابوں کی دنیا
سمندر، ندی اور دو آبوں کی دنیا
طبیعت میں پیہم تلاطم، کشاکش
کدھر جاؤں، ہر سو عقابوں کی دنیا

کشمیر

امن کی بات تو کرتے ہو مری جان مگر
نہیں کھلتا کبھی انصاف کے مرقد پہ یہ پھول
تم کو پیارا تھا بہت رائے شماری کا اصول
آج اس راستۂ حق سے گریزاں کیوں ہو؟
جادۂ ظلم و تشدد پہ خراماں کیوں ہو؟

ہم نہیں تم ہی گئے مجلسِ اقوام کے پاس
مگر اب بات بھی کرتے ہوئے گھبراتے ہو
ذکرِ ثالث کے تصور سے بھی شرماتے ہو
جن دلیلوں سے سمیٹے دکن و جونا گڑھ

انکو کشمیر پہ لاگو نہیں ہونے دیتے
ایک مدت سے جہنم ہے ہمارا خطہ
بیج خوشیوں کے یہاں کیوں نہیں بونے دیتے؟
یہ کوئی سرحدی جھگڑا نہیں دو ملکوں کا
اس سے وابستہ ہے انسان کا مستقبل بھی
ایک ایجنڈا جو ہے تشنۂ تکمیل ابھی
اسی تقسیم کا ہم دونوں نے جو طے کی تھی

مجھ کو حیرت ہے کوئی ایک بھی دانشور ہند
بات کرتا نہیں انصاف کی اس بارے میں
ابنِ مریم بھی جو ہے گنگ ہے گہوارے میں

فکر گو تم نہ سہی مسلکِ گاندھی ہی سہی
تم اہنسا کے پجاری ہو تو کچھ شرم کرو
ایٹمی دوڑ سے کیوں صحنِ چمن گرم کرو

یہ نہ بھولو کہ لہو رنگ ہلاکت کے سوا
جنگ ہوگی تو یہاں کوئی نہیں جیتے گا
سونپ کر خطۂ کشمیر کو ہم ووٹ کا حق
کیوں نہ الفت کے نئے دور کا آغاز کریں
اپنے لوگوں پہ بھی خوشحالی کے در باز کریں

سقراط

جھوٹ کو اسکندر و دارا نہیں بننے دیا
طائرِ لاہوت کو عنقا نہیں بننے دیا
حق کی خاطر جھوم کر جامِ ہلاہل پی گئے
زندگی کو زہر کا پیالہ نہیں بننے دیا

ہٹلر

بے وقار امن کا منکر تو میں تا مرگ رہا
ورنہ انکار کہاں ایک بھی الزام سے ہے
نسل و ملت نہ فزوں تر ہے نہ کمتر کوئی
آشکارا یہ حقیقت مرے انجام سے ہے

نور جہاں

روح شعر و نغمہ تھی پھول تھی تبسم تھی
وہ کلا سمندر تھی موج تھی تلاطم تھی
اسکی حکمرانی تو حشر تک مسلّم ہے
ملکۂ ترنم کیا وہ تو خود ترنم تھی

لینن

توڑنا آساں نہیں تھا زار شاہی کا حصار
یہ ہوا ممکن ہماری جرأتِ رندانہ سے

عشق سے قربانیوں سے کشفِ درویشانہ سے
وقت کا پہیہ ذرا گردش میں آیا ہے تو کیا؟

ڈالروں سے موڑ سکتا ہے رخ تاریخ کون؟
آسماں پر پھیر سکتا ہے خطِ تنسیخ کون؟

ماؤزی تنگ

مثال بن کے دکھاؤ تو لوگ مانیں گے
وفا کی راہ میں یہ شرطِ رہنمائی ہے

سفر طویل سہی دل نہ ہارنا یارو
کہ اس سفر کا صلہ ظلم سے رہائی ہے

تمام عمر فقیرانہ کاٹ دی ہم نے
تو جا کے صحنِ چمن میں بہار آئی ہے

ٹراٹسکی

کہدو تو زباں زباں پہ ہوگا
جو کچھ دلِ حق شناس میں ہو

لازم ہے اک انقلاب پیہم
جب تک نہ ہو ہر من کا سر خم

شیطان سے دوستی نہ کرنا
شیطان کسی لباس میں ہو

روزا لکسمبرگ[1]

جرمنی کے خار و خس میں وہ صداقت کا گلاب
پیکرِ حق آسمانِ نور کا ثاقب شہاب

آج ہر فرہاد کے خوابوں کی شہزادی ہے وہ
جان دے کر دے گئی ہم کو شعورِ انقلاب

1۔ جرمن محنت کشوں کی عظیم انقلابی رہنما جس نے ۱۹۱۹ء میں رجعت پسند افواج کو روکتے ہوئے اپنی جان کا نزرانہ پیش کیا۔

ابوبکر صدیقؓ

وہ یارِ غار وہ صدق و صفا کا پربت تھا
محبتوں کا امیں پیکر شرافت تھا

بجھادیئے کئی جھوٹی نبوتوں کے چراغ
اک آفتاب سرِ مسندِ خلافت تھا

زکات روکنے والوں پہ کیوں ترس کھاتا
کہ یہ ادارہ تو اسلام کی ضرورت تھا

عمر فاروقؓ

عمر نے دین کے ایواں کو استحکام بخشا ہے
عجم کنعان و مصر و شام کو اسلام بخشا ہے

اسی کے عزم و استقلال نے روشن قیادت نے
بڑی اقوامِ عالم میں ہمیں بھی نام بخشا ہے

قبائے وقت پر مثلِ مہ و انجم چمکتے ہیں
اسی کی دین ہے ہم سر اٹھا کر چل تو سکتے ہیں

عثمانِ غنیؓ

کمالِ رحم، معراج حیا، دریا سخاوت کا
بشکلِ مال پشتیبان تحریکِ رسالت کا
سمندر میں بنائے راستے جسکے سفینوں نے
مدینے کے لئے اک چاہِ شیریں جسکا تحفہ تھا
اسے بے آب مارا مفسد و ظالم مکینوں نے
مروت کی روش نے رہگذر پُر خار کی اسکی
قرابت داریوں نے زندگی دشوار کی اسکی

علی کرم اللہ وجہ

وہ دستِ راست پیغمبر کا تھا بینارۂ حق تھا
وہ جسکے نام سے چہرہ یلانِ کفر کا فق تھا

وہ ایمان مجسم صاحبِ سیف و قلم نکلا
وفا کی راہ میں ہر موڑ پر ثابت قدم نکلا

تعصب نے بہت خیبر شکن کا راستہ روکا
اصولوں کے لئے یہ بھی ہوا وہ کھا گیا دھوکا

زمانے نے اگرچہ دشمنی کی بے حساب اس سے
مگر اسلام کے رخسار پر ہے آب و تاب اس سے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اک شخص کہ تھا رسولِ مقبول
اس شخص کو رہنما بناؤ

ثانی نہیں کوئی فرد اس کا
سورج کو چراغ مت دکھاؤ

امام حسین علیہ السلام

سن کر وہ جسکا نام لرزتے ہیں شیر بھی
راہِ وفا میں آئے تو کچھ بھی نہیں ہے موت

پھر زندگی کی چاہ کریں کس کے واسطے
گر یار آزمائے تو کچھ بھی نہیں ہے موت

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ملوکیت سے خلافت کو داغدار کیا
خدا کے گھر کو تبرّا سے ہمکنار کیا
فروغ دے کے وراثت کی رسمِ رسوا کو
لباسِ عدل و مساوات تار تار کیا
یہ سب بجا ہے مگر یہ بھی اک حقیقت ہے
کہ انکے دور میں افغان کوہساروں تک
سحر کی بات چلی دینِ مصطفیٰ پہنچا
غرض انہیں کے وسیلے سے مرے آبا نے
بتوں کو چھوڑ کے اسلام اختیار کیا

یزید

دو دن پہن کے تاج ندامت خریدلی
تم نے تو کُل جہان کی لعنت خرید لی

دامن پہ لے کے خونِ شہیدانِ کربلا
ہر قلبِ حق شناس کی نفرت خریدلی

تاریخ کے فرات میں تم غرق ہوگئے
ہر بندۂ خدا کی حقارت خریدلی

تم راکھ ہوگئے ہو تمہارے رقیب نے
سر دے کے راہِ عشق میں جنت خریدلی

عمر بن عبد العزیزؒ

سرِ محفل وہ شہزادہ انوکھی شان سے آیا
کہ اسکا ہر عمل الفقر فخری سے عبارت تھا

فلاحی مملکت کو ازسرِ نو زندگی بخشی
مساجد میں تبرّا مرتضیٰؓ پر بند کروایا

کھٹکتا تھا وہ مثلِ خار لیکن چشمِ حاسد میں
لعینوں نے چراغِ زندگی گل کردیا اسکا

محمد علی جناحؒ

کہاں سے لائیں بگولے وہ عظمتِ کردار
کہ مہر و ماہ بھی جھک کر جسے سلام کریں

میں ڈھونڈھتا ہوں ابھی تک وطن کی گلیوں میں
وہ روشنی کہ اندھیرے بھی احترام کریں

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تمام عمر سرِ کارزار گذری ہے
کبھی احد کبھی ایران اور شام کبھی
ہر ایک جنگ بصد افتخار گذری ہے
اسی لئے تو ملا ہے خطاب سیف اللہ
ستم ظریفیٔ قسمت تو دیکھئے خالد
کہ جاں گئی بھی تو بستر پہ ورنہ میداں میں
اجل بھی خوفزدہ شرمسار گذری ہے

....

کردار کا اک غازی ہمنام ہمارا تھا
ہم کچھ بھی نہیں خالد ہاں شوقِ شہادت ہے

محمد بن قاسمؒ

سندھ سے کیا آئی اک مظلوم عورت کی پکار
ہوگئی تیغِ محمد ابن قاسم بے نیام

داہری ظلم و ستم کے واسطے پیغامِ مرگ
اور عوام الناس کے حق میں محبّت کا پیام

سندھ کے لوگوں نے مثلِ دیوتا پوجا اسے
حیف ابنائے وطن کے بغض نے مارا اسے

طارق بن زیاد

اسپین کے ساحل پر طارق کا سفینہ تھا
تھک کر بھی تر و تازہ جل کر بھی خزینہ تھا

تہذیب کی کرنیں تھیں کاشانۂ وحشت پر
مغرب کی فضاؤں میں پیغامِ مدینہ تھا

سکندرِ اعظمؒ

سمتِ مغرب سے جو نکلا تھا دمکتا ماہتاب
شیشۂ فارس ہوا جسکی تمازت سے حباب

دامنِ پورس میں جسکے لطف کے مہکے گلاب
خضر نے جسکو دکھایا زندگی کا آئینہ

گرچہ صد کشور کشا تھا روح میں بے چین تھا
اک معمّہ ہے ابھی تک کیا وہ ذوالقرنین تھا؟

لممبا

دھاتوں کے گورے سوداگر اور انکے کالے دلال
اسکے خون سے کھیل کے ہولی سمجھے ہوگئے مالا مال

ناداں لیکن بھول گئے ہم اہلِ وفا کی جان ہے وہ
آج بھی زندہ تابندہ ہے افریقہ کا مان ہے وہ

ٹیپو سلطانؒ

افقِ ہند پہ ابھرا وہ ستارے کی طرح
یورشِ موجِ حوادث میں کنارے کی طرح

وہ حمیّت کی علامت تھا مگر کچھ احباب
مرغ و ماہی کے لئے فرق میں کلغی کے لئے

عصمتِ ارضِ وطن غیر کے ہاتھوں بیچ آئے
وہ اکیلا ہی شبِ تار سے ٹکراتا رہا

ظلم سے ہاتھ ملانا اسے منظور نہ تھا
وہ امر ہوگیا ہر چند کہ سر جاتا رہا

چے گیویرا

لہو سے اس نے کھلائے ہیں جو گلاب کے پھول
وہ پھول جلد گلستاں کا روپ دھاریں گے

مہک اٹھیں گے شمال و جنوب امریکہ
یہ خلق جاگی تو پھر دیکھنا چمن کی فضا

خود اپنے ہاتھ سے زنجیر جبر توڑے گی
خزاں کا رخ بھی بہاروں کی سمت موڑے گی

نظامِ زر کے فلک بوس قصر ڈھادیں گے
عوام ظلم کے سارے نشاں مٹادیں گے

صلاح الدین ایوبیؒ

لشکرِ تثلیث کے سر پر وہ وحدت کا نشاں
اسکے آگے خاک موجودہ حرم کے پاسباں
دشمنِ جاں کی بھی جو تیمارداری کو گیا
شیر دل کو اصل جو پیغام ہے ربّ کا دیا
کون بھٹکے آج گر ایسے ہوں میرِ کارواں

انصاف

اللہ گر انصاف کرے تو کون بچے گا صاف
اس سے مانگو رحم کی بخشش کرسکتا ہے معاف
انسانوں سے اپنا حق بھی چھیننا پڑتا ہے
انسانوں سے رحم نہ مانگو، مانگو صرف انصاف

مہاتما گاندھی

امن و آزادی کا پیغمبر اہنسا کا نقیب
ایک جانِ ناتواں کا جذبِ صادق دیکھئے

ڈٹ گیا بے خوف طوفانِ تشدد کے خلاف
غارت گلچیں کو کرسکتا نہ تھا ہرگز معاف

مفسدانِ قوم تھے عرصے سے اسکی تاک میں
حیف گولی کا نشانہ بن گیا وہ عندلیب

سبھاش چندر بوس

جنگِ آزادی کا خورشیدِ درخشاں بوس تھا
سامراجی دیو سے جو بے جھجھک ٹکرا گیا

امتیاز مذہب و ملت سے بالاتر تھا وہ
قوم سے مخلص حقیقی طور پر رہبر تھا وہ

وہ اگر رہتا تو یہ شکلِ وطن ہوتی نہیں
اسقدر بے نور اپنی انجمن ہوتی نہیں

حسرت موہانیؒ

وہ پیکرِ خلوص وہ درویش شعرمست
کیا شانِ بوذری تھی کہ ہر مرتبہ تھا پست

رکھا بلند اس نے مساوات کا علم
گوتم کا ارضِ ہند میں تھا دوسرا جنم

لو شمعِ حریت کی فروزاں اسی سے ہے
دل کو یقین عظمتِ انساں اسی سے ہے

جواہر لال نہرو

اسکے طرزِ بے خلوص اسکی سیاست کے طفیل
حیف اپنے دیس کو تقسیم ہونا پڑ گیا

قضیۂ کشمیر کی صورت میں بویا وہ شجر
غربت و افلاس کے مارے ہوئے دونوں طرف

نفرتوں کے ہاتھ اتنے زچ ہوئے عاجز ہوئے
خونِ ناحق تک سے دامن کو بھگونا پڑ گیا

ایوب خان

مسلط کردیا آئینِ پرویز
بجھا کر مشعلِ فرہاد رکھدی

تہی کر کے انا سے دامنِ قوم
متاعِ صدقۂ و امداد رکھدی

گنوا کر بزدلی سے خلدِ کشمیر
بنائے جنتِ شداد رکھدی

بنا کر اک نیا دار الحکومت
شکست و ریخت کی بنیاد رکھدی

یحییٰ خان

ملک داؤ پہ لگا کر بھی پیالہ چاہے
حسن کچھ کم ہی سہی گوشت زیادہ چاہے
ہوسِ جاہ سے پُر ذہن رسا سے عاری
لب پہ اعلانِ وفا فکر مگر بازاری
ہوں حریف ایسے تو پھر اور عدو کیا چاہے

جنرل ضیاء

خود کو اسلام سمجھ کر سرِ منبر آیا
بنکے افغان مہم جوئی میں اسپِ افرنگ

کر گیا قوم کو مانوسِ حشیش و بندوق
نہ کہیں جذبۂ حیدرؓ نہ نظامِ فاروقؓ

فتح حاصل ہوئی غیروں کو ہمارے بل پر
ہاتھ اپنے فقط آلام کا لشکر آیا

شیخ مجیب الرحمٰن

آپ اپنی ذات میں جیسا بھی تھا وہ حق پہ تھا
کر رہا تھا راہ گم جمہوریت کا قافلہ

ہو رہا تھا قتل اکثریت کا بنیادی اصول
وہ سپاہِ آمریت کے مقابل ڈٹ گیا

حیف غیروں کی شرارت اور اپنوں کی ہوس
مل گئیں دو لعنتیں تو ملک دو ٹکڑے ہوا

ذوالفقار بھٹو

تاشقند پر لعنت، نعرہ روٹی کپڑا اور مکان
پسماندہ مخلوق کو آسودہ کردینے کا اعلان

ساری فہم وفراست کے باوصف گنوایا آدھا ملک
بدلہ لینا فطرتِ ثانی دوست نہ دشمن کی پہچان

دے کر گلشن والوں کو اک ایٹمی چھتری کا تحفہ
اپنے ہی مہروں کے ہاتھوں آخر پہنچے قبرستان

شیخ عبداللہ

لہو پسینے کی سوغات آنسوؤں کی سبیل
یہی ملا ہے وطن کو ترے ترنم سے
وہ قید و بند کی گھڑیاں ستم کی زنجیریں
ہوئیں کچھ اور توانا ترے تبسم سے
اسیرِ گیسوئے نہرو ہوا تو بھول گیا
کہ ہو رہا ہے وطن بھی تو ساتھ ساتھ اسیر
ہنوز کشتۂ آلام ہے ترا کشمیر

دوست

ایک ہی دوست زندگی میں بہت
اور دو چار ہوں یہ دیکھا نہیں
اسکے اقبال کی دعا مت مانگ
مقتدر دوست رہتا نہیں

ایک مہربان سے

خمیر جنکا اٹھے غیبت و تبرّا سے
ہمیں تو زہر ان احباب کی رفاقت ہے

جو خودغرض ہوں شراکت میں چل نہیں سکتے
کہ خودغرض کو بھی بے لوث کی ضرورت ہے

مجاوروں کی بناؤ ہزار فہرستیں
ہمیں نہ ان سے کوئی ربط ہے نہ رغبت ہے

ہزار ناموں میں بس رہ گیا ہمارا نام
یہ دوستی تو نہیں دوستی کی تہمت ہے

ڈاکٹر اولیور کی وفات پر[1]

طب کے فلک کا ایک ستارہ چلا گیا
دے کر مجھے حیات مسیحا چلا گیا

کرکے اچانک ایک زمانے کو اشکبار
انسان کے روپ میں وہ فرشتہ چلا گیا

1 ۔ چرچل اسپتال آکسفورڈ کے فرشتہ صفت نیوزیلینڈی ماہر امراض گردہ

شعر شکن

فکر تاباں ہو تو ہر صورتِ اظہار حسیں
کیا ضروری ہے کہ اب نظم بھی نثری لکھیے
شعر کہنے کا سلیقہ جو نہیں ہے تو نہ ہو
ہائیکو، ماہیہ، ترویني، تکونی لکھیے

ماہیہ

ماہیے کی ماہیت پر بحث ہے تکرار ہے
جو ہماری طرز میں لکھے وہی فنکار ہے
بیچ کا مصرع مساوی ہو کہ رکن اک کم رہے
اس ذرا سی بات پر دونوں طرف تلوار ہے

ماہیے

ہوتا ہے جگر پانی
تب اصل میں ہوتی ہے
گلے کی نگہبانی

تجھ کو نہ سمجھ آئی
ہے تجھ سے شکایت بھی
پر دل ترا شیدائی

عشاق کی رسوائی
افسوس کا موقعہ تھا
پر سب کو ہنسی آئی

میں کچھ بھی نہیں کہتا
ہاں دیکھ کے دل تم کو
قابو میں نہیں رہتا

کیوں دل میں گرہ آئی
میں بلبلِ فردا تو
امروز کی شہنائی

ہر شخص سیانا تھا
احباب کی محفل میں
اک میں ہی دِوانہ تھا

انجام سے بیگانے
خود کش ہیں طبیعت سے
ہم لوگ ہیں پروانے

ایماں کو نہیں خطرہ
جو حسن ہے اپنا ہے
آجائے قلوپطرہ

رسموں نے کیا بے بس
کچھ کم تھا جہیز اسکا
بارات گئی واپس

ہائیکو

دولت کی تقسیم
ہر مذہب کی جاں ہے پر
کون کرے تسلیم

دل اسکا شیدا
جس سندر کے سینے میں
پتھر کا ٹکڑا

سب اسکی اقلیم
جسکے ایک اشارے پر
چاند ہوا دو نیم

دنیا اسکی یار
اپنی قسمت تو دیکھو
پھول بھی ہے تلوار

موت کے پھر سامان
ہند و پاک کے لیڈر کیا
بھول گئے جاپان

اصل مسیحا ڈھونڈھ
نیک بنادے انساں کو
ایسا نسخہ ڈھونڈ

قرض کا جو خوگر
اس احمق کی قسمت میں
در در کی ٹھوکر

لیڈر بدعنوان
حرص و تعصب کی رت میں
اجڑا پاکستان

غزل

دوست معتوب مگر جان سے پیارا دشمن
کون سمجھائے اسے خود ہو جو اپنا دشمن

سب ہے پیوستہ مفادات کا قصہ ورنہ
کس کو فرصت کہ بنے کوئی کسی کا دشمن

اب کوئی نغمۂ جاں بخش لکھے تو کیونکر
شہرِ بیمار کا ہر فرد مسیحا دشمن

کیا کروں ترکِ تعلق میں ہے دل درپئے جاں
اور اگر اسکو مناتا ہوں تو دنیا دشمن

دل کیا خون تو دی مات مہ و انجم کو
کب نہ تھا اپنے مقدر کا ستارہ دشمن

حسن کے فن کے پرستار تو ہم ہیں لیکن
اہلِ محنت کا جو دشمن وہ ہمارا دشمن

ہوں زمانے کا ہدف یہ تو ہے معمول کی بات
اس پہ حیرت ہے کہ تو بھی مجھے سمجھا دشمن

دوستوں کے لئے ہے جان بھی حاضر خالدؔ
دشمنوں کے لئے کوئی نہیں ہم سا دشمن

کارل مارکس

راہِ نجات یہ ہے کہ دولت کو بانٹ لو
محنت کے احترام میں محنت کو بانٹ لو
اتنے ستم ہوئے ہیں کچھ انصاف بھی تو ہو
دولت اگر نہیں ہے تو غربت کو بانٹ لو

غزل

بات کرتا ہے تو تنقید کی شمشیر کے ساتھ
جنگ ہے مجھ سے نہیں کاتبِ تقدیر کے ساتھ

نیند کی نذر ہوا جب سے ضمیرِ احباب
سلسلہ ٹوٹ گیا خواب کا تعبیر کے ساتھ

جو تعلق ہے تمہارا چمنِ دہلی سے
وہی رشتہ ہے مرا جنتِ کشمیر کے ساتھ

چاندنی موسمِ سرما کی ملی گو ہم کو
لطف اسکا بھی اٹھا سکتے ہیں تدبیر کے ساتھ

ہم کو تنکا بھی سمجھنے کو جو تیار نہیں
فخر سے آنکھ لئے پھرتے ہیں شہتیر کے ساتھ

خشت در خشت نکالی گئی بنیادوں سے
کام کیا کچھ نہ ہوئے حسرتِ تعمیر کے ساتھ

تم سے کیا لوگ رکھیں چارہ گری کی امید
کبھی عطار کے لونڈے ہو کبھی میر کے ساتھ

میں وہ رانجھا ہوں جو ہر دور میں ابھرا خالدؔ
میرا دیرینہ تعلق ہے ہر ایک ہیر کے ساتھ

بے تکی تنقید

بنی نوعِ بشر کی بے تکی تنقید سے بچنا
نہ کچھ کہئے نہ کچھ کیجیے نہ کچھ بنئے تو ممکن ہے
خزاں کا زور ٹوٹے غلبۂ فصلِ بہاراں ہو
حسد سے کوئی گل محفوظ رہ جائے تو ممکن ہے

غزل

جلتے رہیں کہ ہوں خموش سوچ رہے ہیں سب چراغ
در پئے جاں ہیں آندھیاں رہ گئے ہم سے شب چراغ

کون کہے گا شہر کی روشنیوں کو معتبر
دیتے ہیں شہ رقیب کو بام پہ ہیں عجب چراغ

کان ترس گئے سنے پیار کے بول کچھ کہو
تیرگیوں کا زور ہے اور تمہارے لب چراغ

ظلمتِ شب کا سلسلہ اور دراز ہوگیا
صبح کہاں تھی وہم تھا بجھ گئے بے سبب چراغ

یہ بھی ہے ایک المیہ آج نگاہِ یار میں
تیرگیاں تو معتبر اور ہیں بے ادب چراغ

غم کی سیاہ رات ہے عید نہ شب برات ہے
خلق ہنوز منتظر جانے جلیں گے کب چراغ

ماتمِ شہر آرزو کرنے کو بھی بچا ہے کون
کھو گئے خالدؔ و علی ہوگئے بو لہب چراغ

امن اور ظلم

دجلہ و نیل بیک سمت نہیں بہہ سکتے
صبح اور شام کو ہمرنگ نہیں کہہ سکتے
قابلِ رشک نہیں شہرِ خموشاں کا سکوت
امن اور ظلم کبھی ساتھ نہیں رہ سکتے

غزل

اگرچہ غالب و مومن تھے آسمانِ غزل
ہمارے دم سے خراماں ہے کاروانِ غزل

وہ گل ہو تم جو گلستاں کی جان ہوتا ہے
سمجھ میں آئے تو وہ شعر ہو کہ جانِ غزل

وہ ہمکلام ہوئے کل بڑی محبت سے
ہر ایک بات پہ ہوتا رہا گمانِ غزل

خدا کو یار تو شیطان کو رقیب کہا
نزاکتوں کی طلبگار ہے زبانِ غزل

ہمارا خونِ جگر بھی اگرچہ شامل ہے
تمہارے ذکر سے رنگیں ہے داستانِ غزل

تمہاری یاد بساتی ہے شہر شعروں کے
تمہارے نام سے آباد ہے جہانِ غزل

ہر ایک تیر نشانے پہ جا کے دم لے گا
کہ آج ہاتھ میں خالدؔ کے ہے کمانِ غزل

بے وقتے

وقت رکھ نہیں سکتے اور اس پہ نازاں بھی
چاہتے ہو بن جانا وقت کے سلیماں بھی
دو کو چار کرتے ہو چھ کو آٹھ کرتے ہو
میرے ہموطن لوگو توڑ دو یہ گھڑیاں بھی

غزل

راہ تمہاری تکتے تکتے شہر ہوا ویرانہ چاند
بدلی سے باہر آجاؤ ہم سے کیا شرمانا چاند

کر لیتے ہیں یاد تمہارے پیکرِ زیبا کے سب نقش
خالی ہونے لگتا ہے جب اپنا لفظ خزانہ چاند

نکل تو آئے ہو تم اپنے پورے روپ کے ساتھ مگر
مدو جزر بڑا ظالم ہے دیکھو ڈوب نہ جانا چاند

اوج و زوال کا قصہ تم دہراتے ہو ہر ماہ مگر
مشکل ہے مدہوش زمانے والوں کو سمجھانا چاند

روشنی والوں کے جوہر تو ظلمت ہی میں کھلتے ہیں
ہم نے ہار نہیں مانی ہے تم بھی مت گھبرانا چاند

تشبیہوں کے لشکر بھی تصویر کشی سے قاصر ہیں
سچ تو یہ ہے چاند تمہارے حسن کا اک پیمانہ چاند

دنیا کو خاطر میں نہ لانا اپنا مسلک ہے ورنہ
دنیا اسکی جسکا چڑھتے سورج سے یارانہ چاند

رنگِ حقیقت تحریروں میں چھلکانا آسان نہیں
اپنے لہو میں ڈوب کے لکھنا پڑتا ہے افسانہ چاند

کہنے کو جھولی میں ہماری شمس و قمر وہ ڈال گئے
لیکن گر سوچو تو خالدؔ اندھا سورج کا نا چاند

غزل

تمام شہر ہے خدشات کے حصار میں گم
امیرِ شہر مگر اپنے اختیار میں گم

نمو ہو جوہرِ تخلیق کی تو کیسے ہو
حسد کی آگ میں ذہن اور دل غبار میں گم

وہ جس کے لوٹ کے آنے کی بھی امید نہیں
دل و نظر ہیں ابھی تک اسی بہار میں گم

جہاں میں فصلِ تغیر ہے لیکن اہلِ وطن
ہنوز غربت و افلاس کے خمار میں گم

ہزار وعدہ شکن آزما چکے لیکن
فریب خوردہ عوام اب بھی اعتبار میں گم

سپاہِ کفر تو صف بندیوں میں ہے مصروف
مگر سدا کے نمازی ہیں خلفشار میں گم

قدم عدو کے ستاروں پہ ہیں مگر اب تک
جنابِ شیخ شریعت کے لالہ زار میں گم

تمام عمر کی چاہت کے بعد بھی خالدؔ
وہ بزمِ غیر کی رونق ہم انتظار میں گم

ترقی پسند

حضورِ شاہ تو ہر بات قند کرتے ہیں
عوام ہوں تو خودی کو بلند کرتے ہیں
ہمارے دوست ترقی پسند ہیں لیکن
ترقی صرف وہ اپنی پسند کرتے ہیں

غزل

ضائع کرو نہ آج کل ان پہ خمار ہو نہ ہو
پھر کبھی اتنی مہرباں فصلِ بہار ہو نہ ہو

کلمۂ حق جو دل میں تھا ہم نے تو اہلِ بزم کے
گوش گذار کردیا گوش گوار ہو نہ ہو

شعر پہ شعر سے غرض اسکو تو ڈھیر سے غرض
چاہے سخن حیات کا آئینہ دار ہو نہ ہو

غیر کو دیکھ باغ باغ ہم ہوں تو زیرِ پا چراغ
طرزِ عمل تو صاف ہے دل میں غبار ہو نہ ہو

ایک نہ ایک دن ضرور پہنچے گی اپنے باغ میں
خواہ سفر بہار کا سلسلہ وار ہو نہ ہو

ماہ و نجوم تو ضرور دیکھیں گے شکلِ آفتاب
اپنی نظر کے سامنے رات کی ہار ہو نہ ہو

ابکے قدم اٹھاؤ تو نقشۂ و سمت دیکھ کر
ابکے بھی حاصلِ سفر شہرِ نگار ہو نہ ہو

فن اور بور

فن وہی ہے جو کرے تفریحِ دل کا اہتمام
جو دکھائے آئینہ احباب کو اغیار کو
وہ کسی مسلک کا ہو دائیں کا ہو بائیں کا ہو
بور کرنے کا نہیں ہے حق کسی فنکار کو

غزل

سیاہیوں میں بھی امکانِ نور پڑھتے ہیں
ہم ایسے لوگ تو بین السطور پڑھتے ہیں

کسی کا خط وہ کبھی کھولتے نہیں لیکن
کھلا ہوا ہو اگر خط ضرور پڑھتے ہیں

ہر ایک موڑ پہ اپنے عمل سے ہیں جالوت
ہر ایک بزم میں لیکن زبور پڑھتے ہیں

نفاق دل میں مگر اسقدر صفائی پہ ضرور
کہ خط بھی آئے تو دھو کر حضور پڑھتے ہیں

یہ شیخ جی کی جہالت نہیں عقیدت ہے
لکھا گیا ہو اگر طَور طُور پڑھتے ہیں

ہمارا نام بھی جن پر گراں گذرتا ہے
ہمارے شعر برائے سرور پڑھتے ہیں

عدو پہ اسکے کرم فی البدیہہ ہیں خالدؔ
کلامِ یار ہمیں بے قصور پڑھتے ہیں

بے عمل شریعت

کئے نہ جائیں گے جائز گلے بھی دور اگر
مطالبات کی فہرست بڑھتی جائے گی
نہیں ٹلے گی بلا بے عمل شریعت سے
ندی مہیب مسائل کی چڑھتی جائے گی

غزل

بہاروں کا پتا گم ہوگیا ہے
جو دل میں نور تھا گم ہوگیا ہے

نہیں معلوم کیا انجام ہوگا
کہانی کا سرا گم ہوگیا ہے

ہزاروں بت ہزاروں ناخدا ہیں
مگر ہم سے خدا گم ہوگیا ہے

وہ جسکے قرب سے تھا دل سکندر
وہ نادر آئینہ گم ہوگیا ہے

چراتے ہیں عدو آنکھوں سے کاجل
کسے ہے ہوش کیا گم ہوگیا ہے

خلوص اب صرف ملتا ہے لغت میں
وہ درِّ بے بہا گم ہوگیا ہے

ہے[1] جوہر بار گوتم کا تبسم
مگر اسکا دیا گم ہوگیا ہے

عدو کے ہاتھ لگ جانے کا ڈر ہے
جو وعدہ آپ کا گم ہوگیا ہے

نظر آتا تھا جو خوابوں میں خالدؔ
وہ شہرِ خوشنما گم ہوگیا ہے

---

(1) 11 مئی ۱۹۹۸ء کو پوکھران میں بھارتی ایٹمی دھماکے کا نام Smiling Buddha تھا۔

غزل

معذور بنادے تو سہارا نہیں اچھا
گمراہ جو کردے وہ ستارا نہیں اچھا

ہوتی نہیں محفل کی ملاقات ملاقات
ہو دوست تو خلوت سے کنارا نہیں اچھا

ہر چند ہمیں عشق ہے سیماب تنوں سے
گر حد سے گذر جائے تو پارہ نہیں اچھا

رزمِ حق و باطل ہے فقط اپنی کسوٹی
یہ کیا کہ جو میدان میں ہارا نہیں اچھا

لازم ہے کہ ہر سطح پہ انصاف کیا جائے
صرف ایک قبیلے کا اجارہ نہیں اچھا

انساں نے بنایا ہو کہ اترا ہو فلک سے
ہو طوقِ غلامی تو ادارہ نہیں اچھا

دل کوچۂ جاناں کو ترستا تو ہے خالدؔ
اجڑے ہوئے گلشن کا نظارہ نہیں اچھا

اچھے انسان

صدق وصفا کی ریت چلاؤ خستہ تنوں کی جان بنو
عدل کا پرچم لے کے اٹھو آزادی کا عنوان بنو
اچھے مسلم اچھے ہندو مارکس کے سچے پیروکار
کچھ بھی بننا ہے تو پہلے تم اچھے انسان بنو

غزل

یہ نہیں ہم قبا نہ رکھتے تھے
علم سمتِ ہوا نہ رکھتے تھے

ہر قدم پر سپردِ دار ہوئے
سوچ پیغمبرانہ رکھتے تھے

صرف پاؤں تلے زمیں نہ تھی
ورنہ سوچو تو کیا نہ رکھتے تھے

خوفِ دوراں نہ فکرِ مستقبل
ہر قدم باغیانہ رکھتے تھے

ہم مسیحاؤں کا شکار ہوئے
گو مرض لا دوا نہ رکھتے تھے

دسترس میں تھے لیکن انگارے
ہم ستارے یگانہ رکھتے تھے

شیخ صاحب کے پاس سب کچھ تھا
صرف خوفِ خدا نہ رکھتے تھے

شاعری کی تو صرف تہمت ہے
دل بہت تاجرانہ رکھتے تھے

کوئی ہم سا غنی نہ تھا خالدؔ
ہم وفا کا خزانہ رکھتے تھے

غزل

ہر کہیں ہر وقت اٹھتے بیٹھتے پیہم سنے
کس کو فرصت ہے کہ انکی داستانِ غم سنے

عقلِ کلُ مینارۂ دانش لسان العصر ہے
کیوں نہ وہ جانِ جہاں بولے زیادہ کم سنے

رہ گئے حرفِ خوشامد ہی سے کان اب آشنا
صورِ اسرافیل بھی گر ہو تو وہ مدّھم سنے

یوں تو ہے دنیا ازل سے ایک آوازوں کا شہر
جو عمل بردار ہوں وہ قول مستحکم سنے

دفن موسیقی نہیں طبل و علم ہو جائیں گے
کاش امیرِ شہر بھی اب وقت کا سرگم سنے

پتھروں کو بھی اگرچہ موم کرسکتے ہیں ہم
شعر وہ ہوگا جسے وہ بھی بچشمِ نم سنے

اب کہاں خالد وہ لندن کی فضا کیا دور تھا
ہم سنائیں نغمۂ دل اور اک عالم سنے

تبصرہ پر تبصرہ

ہم تو ٹھیرے فن کے عاشق کوئلہ دلاّل تم
ہم تمہارے ساتھ ہاتھ اپنے سیہ کرتے نہیں
ہوسکے تو تم بھی لکھّو کچھ حروفِ طبعزاد
تبصرے پر تبصرے کا ہم گنہ کرتے نہیں

غزل

قسمت ہی آزماؤ اگر اور کچھ نہیں
اب شرطِ جاں لگاؤ اگر اور کچھ نہیں

بے حس سمجھ کے لوٹ نہ جائے کہیں بہار
جشنِ خزاں مناؤ اگر اور کچھ نہیں

ہوجائیں نذر آب اگر چند ناخدا
ثابت رہے گی ناؤ اگر اور کچھ نہیں

لازم نہیں ہر ایک ترقی پسند ہو
ہو سمتِ حق جھکاؤ اگر اور کچھ نہیں

تم جس جگہ کھڑے ہو وہ خندق ہے آخری
خود پر ہی رحم کھاؤ اگر اور کچھ نہیں

ہر چند صبحِ نو کو ذرا دیر ہو گئی
نقشِ کہن مٹاؤ اگر اور کچھ نہیں

ملنا اگر محال ہے خوابوں ہی میں سہی
کچھ تو قریب آؤ اگر اور کچھ نہیں

خالدؔ روا نہیں ہے سرِ بزم ذکرِ یار
لازم ہے رکھ رکھاؤ اگر اور کچھ نہیں

دھماکے

رتجگے مکروریا کے نہیں کرتا پھرتا
جشن سامانِ فنا کے نہیں کرتا پھرتا
شعر و نغمہ ہے فقط امن و محبت کا پیام
اصل فنکار دھماکے نہیں کرتا پھرتا

غزل

وقت کی رہگزر میں ہم ایسا نہ ہو کہ خوار ہوں
آگے قدم بڑھایئے ایک ہو یا ہزار ہوں

شعر بھی کچھ بھلے کہو گوشۂ و تمغۂ و خطاب
ایسے عمل نہیں ہیں جو باعثِ افتخار ہوں

یہ بھی دلیلِ اہمیت پہنچو نہ وقت پر کہیں
یعنی تمام اہلِ بزم کشتۂ انتظار ہوں

سب کو شریک کیجیئے سب کی صلاح لیجیئے
ہارے تو پھر بچے گا کون پیادے ہوں یا سوار ہوں

یورشِ شر سے دو قدم پیچھے ہٹے تو مصلحت
ہم نہیں جو دکھائیں پیٹھ ہم نہیں جو فرار ہوں

چھوڑ دیا انہیں پہ اب فیصلہء وصال و ہجر
عشق میں بھی انا رکھیں کا ہے کو زیرِ بار ہوں

یاد رہیں گے حشر تک شعر وہ ہم نے کہہ دیئے
غیر بھی مضطرب رہیں یار بھی بیقرار ہوں

جادۂ وفا

مرے ساتھیوں کے طعنے یہ عدو کے سب کرم بھی
رہِ حق میں ہیں گوارا مجھے یار کے ستم بھی
مجھے جادۂ وفا سے نہ ہٹا سکے گا کوئی
یہ کرائے کی زبانیں یہ بکے ہوئے قلم بھی

غزل

جزُ زخم تو کچھ ملا نہیں ہے
پر عشق سے دل بھرا نہیں ہے

لاگو جو نہ خود پہ ہو شریعت
وہ نسخہء کیمیا نہیں ہے

نسخہ جو بشر کو نیک کردے
دریافت ابھی ہوا نہیں ہے

شیطان سے بڑھ چکا ہے گرچہ
انسان مگر خدا نہیں ہے

تقدیر میں ہر خوشی لکھی ہو
ایسا کوئی زائچہ نہیں ہے

انصاف بغیر آشتی کا
کوئی بھی تو راستہ نہیں ہے

نیزے پہ ہوا کچھ اور اونچا
سر کٹ تو گیا جھکا نہیں ہے

تم لاکھ سزا سناؤ پر یہ
تاریخ کا فیصلہ نہیں ہے

یاروں نے دیا وہ زخم جسکا
دشمن کو بھی حوصلہ نہیں ہے

لیتا ہے جو انتقام خالدؔ
رہزن ہے وہ رہنما نہیں ہے

غزل

علاجِ زخمِ محبت نہیں دعا تنہا
مریضِ عشق کو ملتی نہیں شفا تنہا

خدا کرے کہ سلامت رہے متاعِ امید
ہجومِ راہبراں اور قافلہ تنہا

طبیعتاً وہ کفایت شعار تھا اتنا
مہِ عسل بھی منانے چلا گیا تنہا

ہم ایسے رند بھلے جب بھی پی ہے بانٹ کے پی
جنابِ شیخ تو پیتے رہے بلا تنہا

وہ ناشناسِ وفا مرے ساتھ چل نہ سکا
مرے بغیر مگر وہ بھی رہ گیا تنہا

پجاریوں نے بنائے ہیں دیوتا کتنے
حقیقتاً جو خدا ہے سدا رہا تنہا

دیا نہ ساتھ جو احباب نے تو ہم خالدؔ
چمن میں پھرتے رہے صورتِ صبا تنہا

دوسرا شمر

زبان پر ہیں خدا کی باتیں رہِ بتاں میں ہر اک قدم ہے
چھپا ہوا آستیں میں خنجر بکا ہوا ہاتھ میں قلم ہے
ریاضِ غیبت کی آبیاری فروغِ باطل مشن ہے اسکا
یہ ابنِ ملجم کی ذریّت ہے یہ شمر کا دوسرا جنم ہے

غزل

فروغِ گل کے نہ سرو و سمن کے قائل ہیں
فقط زبان سے حبِّ وطن کے قائل ہیں

سلام کرتے ہیں جھک جھک ہر ایک خسرو کو
یہ اور بات کہ ہم کوہکن کے قائل ہیں

وہ چاہتے ہیں رہے بلبلوں سے پاک چمن
قصیدہ خواہ ہوں تو زاغ و زغن کے قائل ہیں

محبتوں کا چلن ہو نہ مشک ہو نہ غزال
جنابِ شیخ تو ایسے ختن کے قائل ہیں

جب ان سے ڈرتے ہوئے خلوتوں کی چھیڑی بات
تو بولے ہم تو فقط انجمن کے قائل ہیں

جب انتظار کے عالم میں عمر بیت گئی
پتہ چلا کہ وہ آواگون کے قائل ہیں

کسی کے حسن سے خالدؔ کیا نہ سمجھوتہ
ہمارے شعرا بس گلبدن کے قائل ہیں

خیر و شر

احباب کی روش کے مطابق نہیں ہوں میں
ظلمت بدست امن کا عاشق نہیں ہوں میں
ہو خیر و شر کی جنگ تو ہے خاموشی گناہ
سب جس سے خوش رہیں وہ منافق نہیں ہوں میں

غزل

ہم لکھیّں تو مٹّی ہے وہ بولیں تو سونا ہے
سو پھول بھی کھل جائیں شبنم کو تو رونا ہے

فیلوں میں لڑائی ہو یا پیار محبت ہو
پامال بہر صورت سبزے ہی کو ہونا ہے

ہم خاک نشینوں سے ایسی بھی عداوت کیا
اُس تخت نشیں کو بھی مٹّی ہی میں سونا ہے

میخانے میں آ کر ہم پیاسے نہیں اٹھنے کے
اب چاہے نہ چاہے دل دامن تو بھگونا ہے

اب دوزخ و جنت کی جو شکل بھی ہو لیکن
اس وہم میں مت رہنا کچھ بھی نہیں ہونا ہے

رستے کی جفاؤں سے گھبرائیں جو ہمراہی
چاہیں تو بچھڑ جائیں منزل نہیں کھونا ہے

ہر قرض کا لنگر ہے تمہیدِ اجل یہ تو
خود اپنے سفینے کو ساحل پہ ڈبونا ہے

اشعار میں بھی خالدؔ ہم جھوٹ سے بچتے ہیں
پیغام صداقت کا لفظوں میں سمونا ہے

بزورِ درم

ہیں آسمان پہ کرگس عقاب زیرِ قدم
ہنر کی بات گئی سرنگوں ہیں لوح و قلم
ادب بزورِ خوشامد کا کیا گلہ کیجیے
کہ آگیا ہے ادب شہر میں بزورِ درم

غزل

اب سچ کہیں کہ حمدِ خریدار کیا کہیں
الجھن میں پڑ گئے ہیں مرے یار کیا کہیں

کتنی ہی پائیدار و منقش دکھائی دے
سایہ بھی جو نہ دے اسے دیوار کیا کہیں

واعظ کے ساتھ صبح تو رندوں کے ساتھ شام
ان دوغلوں کو حق کا پرستار کیا کہیں

غربت کے ہاتھ فن تو بکا ہے ہزار بار
جو فکر بیچ دے اسے فنکار کیا کہیں

کرنے کو بات بات پہ دل توڑنے کی بات
احباب ہی بہت ہیں تو اغیار کیا کہیں

کس کے لئے کھلایئے شعر و سخن کے پھول
کوئی نہیں ہے صورتِ دلدار کیا کہیں

سو آفتوں کے بعد بھی تازہ ہے دل کا پھول
خالد ہم ایسے شخص کو بیمار کیا کہیں

آستیں کے سانپ

کوئی اچھا ہو یا برا سب پر
پریم کی پیار کی نظر ڈالو
ہاں مگر اتنی احتیاط رہے
آستینوں میں سانپ مت پالو

غزل

احتسابِ گلچیں کی ابتدا مبارک ہو
پھر سے لالۂ و گل کا تذکرہ مبارک ہو

جوشِ شہر والوں کا کچھ تو گل کھلائے گا
جذبۂ شہادت کی انتہا مبارک ہو

ایک پھول ہم کو بھی اپنے دستِ نازک سے
آپ کو بہاروں کا سلسلہ مبارک ہو

خونِ دل سے لکھنے کی رسم اٹھ گئی پیارے
حلقۂ نگارش میں داخلہ مبارک ہو

لاکھ ہو اذیّت میں روحِ غالب و اقبال
بزمِ شعر میں ٹھمری دادرا مبارک ہو

جادۂ وفا کے ہم سنگِ میل ہی اچھے
مکر کے ہمالہ کو طنطنہ مبارک ہو

ہم تو اِن بلاؤں سے دور ہی بھلے خالدؔ
ڈریکولا کی دلہنوں کو ڈریکولا مبارک ہو

قلم فروش

دغا کزب و ریا، دھوکہ دہی دن رات کرتا ہے
شرارت میں تو وہ شیطان کو بھی مات کرتا ہے
قلم ہر وقت بکنے کے لئے تیار ہے اسکا
مگر اکثر حسین ابن علی کی بات کرتا ہے

غزل

بہاروں کے گھر گھر قدم چاہتے ہیں
شریعت وہی ہے جو ہم چاہتے ہیں

نہیں حور و غلماں سے انکار ہم کو
مگر ہم وصالِ صنم چاہتے ہیں

بہت ہوچکیں دور درشن کی باتیں
پیاسے ہیں سیلِ کرم چاہتے ہیں

ہمیں اختلاف ان سے اس بات پر ہے
کہ وہ نور و ظلمت بہم چاہتے ہیں

ہمارا وجود انکی آنکھوں کا کانٹا
کہ ہم ظلمتوں کو عدم چاہتے ہیں

وہ سب کے لئے مسکراہٹ ہیں لیکن
ہماری ہی آنکھوں کو نم چاہتے ہیں

نہ ہوگا کبھی طولِ جادہ کا شکوہ
تری زلف کے پیچ و خم چاہتے ہیں

اس الزام پر ہم سے برہم ہے دنیا
کہ ہم دہر کو ان سے کم چاہتے ہیں

عدو کو مبارک ہو کشکول خالؔد
ہم احرار ہیں جامِ جم چاہتے ہیں

غزل

ہمیں کہتے ہو آنسو روک لو طرزِ سخن بدلو
اگر منصف ہو پہلے خود ذرا اپنا چلن بدلو

بہت دلکش سہی یہ حمد و نعت و منقبت لیکن
اگر پاسِ رسالت ہے نظامِ انجمن بدلو

حریر و پرنیاں سجتے نہیں مقروض جسموں پر
اگر عزت سے رہنا چاہتے ہو پیرہن بدلو

تو پھر کس کے لئے ہم آتشِ نمرود میں کودیں
اگر ہر روز تم پیمانۂ حبِ وطن بدلو

بنامِ رقصِ آزادی بہت خرمستیاں کرلیں
ختن خطرے میں ہے اب تو غزالانِ ختن بدلو

چمن میں لالۂ وگل مسکرانا بھول جائیں گے
نہ اپنا شوخ اندازِ تبسّم جانِ من بدلو

خدا کچھ ہیں تو باقی لوگ انکی خاکِ پا خالدؔ
بقا کی آرزو گر ہے تو یہ رسمِ کہن بدلو

چھیڑ چھاڑ

دیدنی ہے کچھ بتوں کی آزروں سے چھیڑ چھاڑ
چند نابیناؤں کی دیدہ وروں سے چھیڑ چھاڑ
خود جو تر دامن ہیں یوسف پر اٹھائیں انگلیاں
شیشہ خانوں کے مکیں اور پتھروں سے چھیڑ چھاڑ

غزل

زمانے کو جلانا چاہتا ہوں
تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں

خبر ہے عشق میں خواری ہے لیکن
مقدّر آزمانا چاہتا ہوں

تمہاری شخصیت ہے اک سمندر
میں اس میں ڈوب جانا چاہتا ہوں

نصیب شاعراں ہے آہ و زاری
مگر میں مسکرانا چاہتا ہوں

رہے سو سال جو آگے جہاں سے
میں وہ بستی بسانا چاہتا ہوں

بس اتنا سا ہے جھگڑا شیخ جی سے
قدم آگے بڑھانا چاہتا ہوں

جو اقوامِ جہاں کو ایک کردے
میں لکھنا وہ ترانہ چاہتا ہوں

اگرچہ کربلا ہے لمحہ لمحہ
مگر تم کو ہنسانا چاہتا ہوں

نہیں شیطاں سے بھی خالدؔ عداوت
میں سب سے دوستانہ چاہتا ہوں

غزل

جو غم مجھے ہے مرے غمگسار کیا جانیں
یہ لوگ محوِ خزاں ہیں بہار کیا جانیں

غزل کو چاہِ زنخداں سمجھ رہے ہیں رقیب
رموزِ شعر یہ مہمل نگار کیا جانیں

جو ماورائے زمان و مکاں ہوں فطرت سے
تمہارے شہر کے لیل و نہار کیا جانیں

وہ اپنی خیر منائیں جو شیرِ قالیں ہیں
ہم امتحانِ وفا سے فرار کیا جانیں

بجا ہے رائے زنی خمریات پر لیکن
جنھوں نے پی ہی نہیں وہ خمار کیا جانیں

ہر ایک پیرِ حرم ترجمان گلچیں ہے
یہ بات سچ ہے مگر گلعذار کیا جانیں

حسابِ لطف و ستم کیا، تمھیں رکھو تو رکھو
ہم اہلِ دل ہیں بھلا ہم شمار کیا جانے

تمام عمر کی صف بندیوں کے بعد بھی ہم
نماز گاہ سے باہر قطار کیا جانیں

جلو میں لائے ہیں کیا کیا رقابتیں خالدؔ
پڑے ہوئے ہیں گلے میں جو ہار کیا جانیں

غزل

ہر چند دیکھنے میں ہے انسان کی طرح
چرچا ہے اسکا شہر میں شیطان کی طرح

باطن میں جھانکئے تو جہالت کا بحرِ ہند
چہرہ جناب شیخ کا قرآن کی طرح

مہمل ہوا جہاد کہ سجدوں کے زور پر
جنت ہے انکی جیب میں رضوان کی طرح

بوتل کے جنِ کی آہ و بکا بھول جایئے
سنئے جو انکے شعر تو ہذیان کی طرح

گرد و غبار جان کے الجھا تو وہ مگر
پایا ہمیں غنیم نے چٹان کی طرح

احسان اہلِ شہر پہ کرنا تو سوچ کر
مارے نہ جاؤ حضرتِ عثمانؓ کی طرح

باندھا گرہ سے جس نے بھی خالؔد ہوا دھنی
ہر شعر میرا نقشِ سلیمان کی طرح

سانپ

کبھی لالچ سے کبھی خوف سے بہکائے گا
پیار جتنا بھی کرو باز نہیں آئے گا
سانپ کو دودھ پلاؤ کہ اسے شعر سناؤ
اسکی فطرت میں تو ڈسنا ہے ڈسے جائے گا

غزل

یقین کیسے کریں اسکی داستانوں کا
جنھیں خبر ہے وہ آذر ہے سو بہانوں کا

نہ صرف آپ کو بلکہ ہمیں بھی ہے تسلیم
کہ وہ امام ہے، لیکن قصیدہ خوانوں کا

جو ہو سکے تو یہ ارضِ وطن بچا لیجے
کوئی بھروسہ نہیں اپنے حکمرانوں کا

ہوا جو شہرِ خسیساں میں زاغ نغمہ طراز
تو ایک رات میں منھ کھل گیا خزانوں کا

کوئی مریض بھی گر ہو تو اس پہ نیند حرام
تمام شہر میں اک شور ہے اذانوں کا

امیرِ شہر نے ہم کو ہی غیر ٹھہرایا
ہمیں کو ہوش تھا اغیار کے ٹھکانوں کا

ہر انقلاب کے قصے میں مشترک ہے یہ بات
کہ خوں پیا ہے خود اپنے ہی پاسبانوں کا

بشر نڈھال ہے اور تذکرے فرشتوں کے
زمیں اداس ہے اور ذکر آسمانوں کا

مہم سے پہلے ذرا اپنے بال و پر تولو
مآل یاد رکھو بے تکی اُڑانوں کا

قلمچیوں نے تگ و دو تو کی بہت خالدؔ
بگاڑ کچھ نہ سکے ہم سے گل بیانوں کا

غزل

ہر دم ہے لبِ شیخ پہ اک بے سر و پا جھوٹ
ہیں اسکے صنم مکر و ریا اسکا خدا جھوٹ

دعویٰ تھا کہ اشعار ہیں تخلیق اسی کی
بے وجہ لگائی جو اضافت تو کھلا جھوٹ

اک ماہیٔ بے آب ہے بے جھوٹ وہ لیکن
کس جرم میں برداشت کریں اہلِ وفا جھوٹ

پورا نہ کیا ایک بھی وعدہ مگر اس نے
ایجاد کیا روز نیا عذر نیا جھوٹ

جس نے بھی سنا اسکی ثنا ہجو مری کی
کیسا مرے محبوب کے ہونٹوں پہ کھلا جھوٹ

کیا اور بھی ہوں گے کوئی آثارِ قیامت
ہر شخص مرے شہر میں ہے ایک چھپا جھوٹ

شاید کبھی خوابوں میں کہیں بولا ہو سچ بھی
اس شخص نے جو کچھ بھی کہا مجھ سے کہا جھوٹ

ایسے بھی ہیں اعزازِ سخن بانٹنے والے
بولیں تو خرافات ہیں لکھیں تو نرا جھوٹ

سچ معرکہء وقت میں ہارا بھی ہے خالدؔ
تاریخ کے میداں میں مگر کھیت رہا جھوٹ

غزل

ہر قماش کا امکاں اسکی دوستی میں ہے
ایک جیب میں مکھن زہر دوسری میں ہے

کیوں کرے کوئی اس پر اعتبار میں عجلت
کربلا زباں پر ہے دل ہری ہری میں ہے

کیوں نہ سکۂ ابلیس معتبر ہو بستی میں
وہ تو شر میں مخلص ہے کھوٹ آدمی میں ہے

جانے کیوں سب اہلِ دل شیخ کے ہوئے دشمن
اس غریب کو سبقت صرف بے حسی میں ہے

وہ کلام کتنے دن انجمن میں ٹھہرے گا
ساری گھن گرج جسکی وقت کی نفی میں ہے

اک طرف بتوں کی فوج اک طرف خلیل اللہ
دیکھنا ہے کتنا زور اسکی آزری میں ہے

سو طرح کی خوشیاں ہیں لیکن اسکے کیا کہنے
جو خوشی مجھے حاصل اک تری خوشی میں ہے

لائقِ ستائش ہے سوچ اہلِ خانہ کی
بچ رہے تو دیکھیں گے آگ ابھی گلی میں ہے

لاکھ وہ جتن کر لے کیسے لائیگا خالدؔ
وہ جو عکسِ مستقبل میری شاعری میں ہے

غزل

معتبر جبہ و دستار ہے سب اچھا ہے
حضرتِ شیخ کا اصرار ہے سب اچھا ہے

ہر گنہگار کو دوزخ سے بچانے کے لئے
اہتمامِ رسن و دار ہے سب اچھا ہے

شہر پر جو بھی گذرتی ہو میسر سب کو
حاکمِ شہر کا دیدار ہے سب اچھا ہے

حالتِ لالہ و گل پر جو کوئی آنکھ ہو نم
چشمِ حاسد ہے وہ بیمار ہے سب اچھا ہے

قربتِ شعر و سخن علم و ہنر ہو کہ نہ ہو
شحنۂ شہر اگر یار ہے سب اچھا ہے

ہم ستارے تھے مگر آج ہیں تاریخ کی گرد
اوج پر طالعِ اغیار ہے سب اچھا ہے

ہم پہ اس جرم میں ہے بند درِ میخانہ
ہم کو اس بات سے انکار ہے سب اچھا ہے

وزن و معنی سے اگر شعر ہیں آزاد تو کیا
چاہنے والوں کی بھرمار ہے سب اچھا ہے

اک طرف لشکرِ شب ایک طرف ہم خالؔد
بیچ میں وقت کی دیوار ہے سب اچھا ہے

غزل

ڈالتے ہیں بزدلوں پر خاک لندن شہر میں
حسن والے ہیں بہت بیباک لندن شہر میں

کوئی جوہر ہو تو سب بدخواہ چپ ہو جائیں گے
ہے یہی ہر زہر کا تریاک لندن شہر میں

خوبیِ قسمت سے آڑے آ گئے ماہ و نجوم
ورنہ ہم بھی تھے گریباں چاک لندن شہر میں

جامۂ نوری میں پھرنا معتبر ٹھہرا تو پھر
زیبِ تن کیا کیجئے پوشاک لندن شہر میں

حسن کے سیلِ رواں میں ڈوب کر ہم کو ہوا
دانشِ افرنگ کا ادراک لندن شہر میں

شیخ جی کچھ بھی کہیں ان پر بھی آیا تھا شباب
کون رکھ سکتا ہے دامن پاک لندن شہر میں

شعرِ مُردوں کے چرا کر سینہ زوری سے پڑھو
بیٹھ جائے گی تمہاری دھاک لندن شہر میں

دخترِ آوارہ، مکاں گروی، پسر گوری کے ساتھ
پھر رہے ہیں لے کے اونچی ناک لندن شہر میں

پیشگوئی تو نہیں خالدؔ یہ عرضِ حال ہے
ہم نہ ہوں گے تو اڑے گی خاک لندن شہر میں

غزل

سورج سے کیا ٹکر لینا کوئی اسے سمجھاؤ
پھر مت کہنا یہ کیسا ہے دن کے بیچ الاؤ

مکر و ریا کی طغیانی ہے مہر و وفا کا کال
کیسے موسم میں ہم نکلے لے کر دل کی ناؤ

ہر شکوے کو بیجا جانا کیا نہ کوئی علاج
چھوٹی چھوٹی باتیں بن گئیں بڑے بڑے ٹکراؤ

حق گوئی کو ترک کریں ہم یہ انہونی بات
تم چاہے تیروں سے نوازو چاہے گل برساؤ

مایوسی کا عالم دیکھو دشمن پر پیار آئے
دوست ہمارے دے کے گئے ہیں کیسے کیسے گھاؤ

زلفِ سحر محبوبہ کی زلفوں کی طرح پر پیچ
جتنے پیچ نکالے پایا اتنا ہی الجھاؤ

کوہکنوں کا ساتھ نہ دے کر شیخ رہے گمراہ
جنت جا پہنچے تو کریں گی حوریں بھی پتھراؤ

مشرق و مغرب کے سب دانا رہ جائیں گے دنگ
بادِ بہاری چلی تو کیا پروائی کیا پچھیاؤ

خالدؔ ہم کو شعر کی یہ بھی کافی ہوگی داد
ہر دل میں یہ جذبہ جاگے لانا ہے بدلاؤ

غزل

بین لازم ہے نہ زخموں کی نمائش شرط ہے
قصرِ ظلمت ہل رہا ہے صرف کوشش شرط ہے

جس کے ماحول میں بھی پھول سوکھ جائیں گے
مثلِ آوارہ ہوا جینے کی خواہش شرط ہے

جو نظریوں کا ہوا ہے حال اپنے دور میں
یہ بھی کہہ سکتے نہیں اب آزمائش شرط ہے

اپنی سو کوتاہیوں کا تجزیہ کرتے نہیں
جو بھی افتاد آپڑے غیروں کی سازش شرط ہے

نامۂ اعمال کتنا ہی منوّر ہو مگر
بہرِ بخشش شیخ صاحب کی سفارش شرط ہے

میری بابت جو لکھو پر اس حسیں کے باب میں
جسقدر چاہو لکھو لیکن ستائش شرط ہے

پوچھتے تک بھی نہیں جو منتخب ہونے کے بعد
اب فروغِ گل کی خاطر انکی پرسش شرط ہے

حرفِ حق کو عام کرنے کے لئے خالدؔ ہمیں
یہ نہیں پرواہ کس کس کی نوازش شرط ہے

زندگی

واضح ہوا ہے عشق سے کردارِ زندگی
ورنہ تو ہے فضول یہ بازارِ زندگی
ہو زندگی محال تو بے خوف ہو کے جی
کرتی ہے موت چارۂ آزارِ زندگی

غزل

گر چہ کچھ تلخیٔ حالات بھی کم ہوتی ہے
ہم جو لکھتے ہیں تو تاریخ رقم ہوتی ہے

قصۂ درد پہ ہنستی ہے تو ہنس لے دنیا
جیت میری ہے گر اک آنکھ بھی نم ہوتی ہے

کل اسے لوگ ہمارے ہی سبب جانیں گے
یعنی تنقید بھی تعریفِ صنم ہوتی ہے

شاعرِ نظم سہی مانا تو شاعر اس نے
ہر غزل اپنی بغاوت کا علم ہوتی ہے

اسکی معراج قصیدہ ہے اسے کیا معلوم
کس طرح پرورشِ لوح و قلم ہوتی ہے

درد کی اوٹ میں ہوتی ہے مسرت اکثر
ہر مسرت میں نہاں صورتِ غم ہوتی ہے

کبھی بھولے سے جو آجاتا ہے نامہ انکا
خط کہاں اک نئی فہرست ستم ہوتی ہے

جو نکلتے ہیں کئے تجزیہء ماضی و حال
کائنات انکے لئے زیرِ قدم ہوتی ہے

ہم سے دیوانوں کا اس بزم میں خالدؔ کیا کام
گفتگو صرف جہاں دام و درم ہوتی ہے

غزل

غربت میں اپنے دیس کے منظر کہاں سے لائیں
اڑنا تو چاہتے ہیں مگر پر کہاں سے لائیں

کرلیں ہمیں بھی یاد وہ ایسے کہاں نصیب
وہ مہرباں ہوں ایسا مقدر کہاں سے لائیں

آئینِ شہر حرف کی صورت گری اگر
زاغ و ذغن کریں تو سخنور کہاں سے لائیں

بدقسمتی سے یار گزیدہ ہیں ہم مگر
جسکا ہدف ہوں یار وہ پتھر کہاں سے لائیں

لفظوں کے خارزار اگاتے رہیں ہیں جو
اب وادیٔ سخن میں گلِ تر کہاں سے لائیں

ہر چند اب بھی منتخب روزگار ہیں
ہے فصلِ انتخاب مگر زر کہاں سے لائیں

نغمہ سرا ہیں تلخیٔ ساغر کے باوجود
خاؔلد بیاں میں قندِ مکرر کہاں سے لائیں

فن کا جن

بحروں کے نام انکو از بر لفظوں کی بھرمار
قیدِ قواعد کے شیدائی سب جھوٹے فنکار
وہ جو فن کا جن ہے وہ بوتل میں رہے کیوں قید
اسکے آوارہ نغموں سے گونجے گا سنسار

غزل

ہوتا جو میسر ترا دیدار وغیرہ
کیوں ذہن میں آتے رسن و دار وغیرہ

آداب کی وادی میں بھٹکتا ہی نہیں وہ
مہمل ہیں سب اسکے لئے اقدار وغیرہ

کُل شہر ہے خطرے میں مگر اسکی ضرورت
آرائشِ صحن و درو دیوار وغیرہ

یہ اسکی عنایت ہے کہ سر لے لئے اپنے
جتنے بھی تھے اقبال کے افکار وغیرہ

سو کام نکلتے ہیں قصیدے سے جہاں میں
لیجایئے کس کس کے لئے ہار وغیرہ

چھیڑو جو کبھی ذکر ملاقات کا اس سے
پڑجاتا ہے سنتے ہی وہ بیمار وغیرہ

ذکر اسکا نہیں صرف رقیبوں کے بیانات
لیں مول کس امید پہ اخبار وغیرہ

خود کونسا کردار میں صوفی ہے ولی ہے
ہم جسکی نگاہوں میں ہیں کفار وغیرہ

خالؔد مرے ہاتھوں میں مقدّر سے قلم ہے
کیا غم جو نہیں خنجر و تلوار وغیرہ

اردو

اگر چہ بزمِ جہاں کا نکھار ہے اردو
وطن میں اپنے غریب الدیار ہے اردو

قدم قدم پہ جواہر بکھیرنے والی
گداگروں کے حسد کا شکار ہے اردو

سہیلیوں کی طرح گوہر اک زباں سے ملی
ستم ہے پھر بھی دلوں کا غبار ہے اردو

ہزار سال سے خدمت گذارِ گلشن ہند
مگر بتوں کی نگاہوں میں خار ہے اردو

دیارِ گنگ و جمن میں بھی اجنبی ٹھہری
تو کیا زبانِ کویت و قطار ہے اردو؟

کسی بھی شہر میں اسکے بغیر چارہ نہیں
پر اسکا نام نہ لیجے کہ عار ہے اردو

جو سوچیۓ تو حقیقت میں ارضِ پاک کی ماں
جو دیکھیۓ تو وہاں بھی فگار ہے اردو

خود اپنے دیس میں کالے فرنگیوں کے طفیل
ہنوز دور سے دفتر شمار ہے اردو

اگر چہ سارے زمانے میں دھوم ہے اسکی
وہ کہہ رہے ہیں ابھی شیرخوار ہے اردو

زبان اپنی رکھی چین و جرمنی نے عزیز
تو کس قصور میں گرد و غبار ہے اردو

حروف اسکے بدلنے کی بات مت کیجیے
اسی لِپی کے سبب زرنگار ہے اردو

ہماری لغزشِ پیہم کے باوجود ہنوز
زمانے بھر میں ہمارا وقار ہے اردو

ہزار زخم سہے پھر بھی مسکراتی ہے
ستم گداز تبسم شعار ہے اردو

خزاں زدہ ہی سہی آج پر یقیں ہے مجھے
کہ لازوال گلِ صد بہار ہے اردو

ہمیں تو اتنی خبر شاعری میں ہے خالدؔ
زبان کوئی بھی ہوتا جدار ہے اردو

پرچار

جو خوب انسانیت کا امن کا پرچار کرتے ہیں
مفاداتِ برہنہ کی زمیں ہموار کرتے ہیں
رسائی تک نہیں مظلوم کی انکی عدالت میں
مقدمہ بعد میں پہلے سپردِ دار کرتے ہیں

نیوٹن

شجر سے سیب جو گرتا زمین پر دیکھا
کشش ہے ثقل کی بیساختہ کہا اس نے
کہا کسی نے جو نیوٹن سے لاؤ رب کا ثبوت
یہ بات سن کے انگوٹھا دکھا دیا اس نے

فرض و جرم

فرض ہے عدل و اخوت جرم استحصال ہے
لعنتِ ارض و سما ہے سود کے بازار پر
چشمِ سوزن سے بآسانی گذر سکتا ہے اونٹ
بابِ جنت کھل نہیں سکتا کبھی زردار پر

فنکار

شاعر و فنکار جامِ زیست کی تلچھٹ سہی
نوعِ انساں کی نجات ان کے قلمرو سے پرے
ہاں مگر اس بات سے انکار بھی ممکن نہیں
یہ نہ ہوں تو اس جہاں رنگ و بو میں کیا رہے

جوہری خطرہ

جوہری خنجر کا حملہ روکنے کے واسطے
جوہری خنجر ضروری ہے خود اپنے پاس بھی
ختم ہوتا جوہری خطرہ نظر آتا نہیں
انجمن میں ایک بھی طاقت ہے جبتک ایٹمی

حیدرآباد (سندھ)

حیدرآباد وہ مِرا شہرِ حسین
تابناک آسماں فرشِ گل سرزمیں

طرّہَ باد کش جسکی دستار میں
سب کو رکھتے تھے مصروف دیدار میں

جسکی چھب کی پرستار تھی چاندنی
پیرسِ ہند جسکا لقب تھا کبھی

جسکی زینت پہ مہران کو ناز تھا
اصل میں خلد کا ایک درباز تھا

وہ پھلیلی کے دامن کی رعنائیاں
صوفیا کی بصیرت کی پرچھائیاں

ہیں میانی کے ہوشو[1] کی قربانیاں
آج بھی کوچہء و بام و در سے عیاں

وہ نشیب و فراز و خفئی و جلی
سب سے بڑھ کر قدم گاہِ مولیٰ علیؑ

اسکی گلیوں میں بیتا ہے بچپن مرا
اسکے پھولوں سے رنگیں ہے دامن مرا

نوجوانی اسی شہر کی نذر کی
شہر کی کوئی سسی ہو یا ماروی

---

(۱) ہوش محمد میرانِ سندھ کے لشکر کا ایک جانباز جس نے ۱۸۴۲ء کی جنگ میانی میں مادرِ وطن کا دفاع کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔

میرے نغموں کے جادو سے غافل نہ تھی
علم و فن کا مرا شہر گہوارہ تھا

اک خلوص و محبت کا مینارہ تھا
نغمئہ و رنگ کا ایک فوارّہ تھا

آج واپس ہوا ہوں تو اک کربلا
سامنے آرہی ہے نظر برملا

کوچہء و در غلاظت میں لتھڑے ہوئے
مین ہول② اور نالی نما راستے

منتظر جیسے عفریت ہوں ہر طرف
جسکو مرضی ہو پل میں بنا لیں ہدف

مچھّر اور مکھیّاں ہر طرف گندگی
سر گریباں میں ڈالے ہوئے زندگی

Manhole ②

فوج آوارہ کتوں کی ہر گام پر
ہر قدم آدمیت ہے زیر و زبر
یہ مقامی مہاجر کا قصّہ ہے کیا؟
ایک ملّت کی ہیں بستیاں کیوں جدا؟
کیا یہاں سے کہیں اور پھر جانا ہے؟
پھر سے تاریخ اندلس کو دہرانا ہے؟

میں نے مانا سدا حیدرآباد نے
مقتدر ظالموں پر تبرّا پڑھا
میں نے مانا کہ اس جرمِ معصوم پر
شہر انکے غضب کا نشانہ بنا
ڈسٹ بِن③ ہو گیا کوڑا خانہ بنا

Dustbin ③

پر مرے شہر کے سادہ دل باسیو
جوش کو کم کرو ہوش سے کام لو

خود ہی جرآت کرو اور بچالو اسے
یہ ہے میراثِ حیدرؓ سنبھالو اسے

جامِ قائدؒ میں بھر کر بھٹائیؒ کا رس
ردِّ ظلمت بنو توڑ دو ہر قفس

مصنف کی دیگر تصنیفات

☆ حسرتِ گفتار

☆ لبِ سحر

☆ زخمِ سفر

☆ چاند ستارہ باتیں

☆ چنگاریاں

☆ گلدستہء فرہنگ